Phone : 80800

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

طلوعِ اسلام

دسمبر 1963

اس پرچہ میں :-

جماعت اسلامی

(خود اپنے آئینے میں)

آئندہ پرچے میں :-

مولانا مودودی اور جمہوریت

شائع کردہ :

ادارہ طلوعِ اسلام ۲۵-بی گلبرگ لاہور

قیمت ۷۵ پیسے

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ماہنامہ طلوعِ اسلام لاہور

ٹیلیفون نمبر (۸۰۸۰۱)	قیمت فی پرچہ	بدلِ اشتراک
خط و کتابت کا پتہ:- (ناظم ادارہ طلوع اسلام) ۲۵-بی: گلبرگ - لاہور	پاک و ہند سے ۷۵ نئے پیسے	پاک و ہند سے سالانہ ۔۔۔ ۸ روپے غیر ممالک سے سالانہ ۔۔۔ ۱۶ شلنگ

جلد ۱۶ — دسمبر ۱۹۶۳ء — نمبر ۱۲

فہرستِ مضامین

۱- لمعات ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲

۲- جماعت اسلامی ۔۔۔ (اپنے آئینہ میں) ۔۔۔۔۔۔۔ ۹

۳- پرویز صاحب کی دو اہم تقریریں- { (۱) ہم ذلیل کیوں ہیں؟ (۲) اس کا علاج کیا ہے؟ } ۴۹

۴- پیری مریدی سرسیدؒ کی نظر میں (محترم شاہد حسین رزاقی صاحب) ۔۔۔۔ ۶۵

۵- باب المراسلات ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۶۹

۶- نقد و نظر ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۷۳

۷- بچوں کا صفحہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۷۶

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لمعات

یورپ کی جنگِ عظیم ایک قیامت تھی جس نے پرانی دنیا کے نظام کو قریباً ہر پہلو سے فنا کر دیا ہے۔ اور اب تہذیب و تمدن کی خاکستر سے فطرت، زندگی کی گہرائیوں میں ایک نیا آدم اور اس کے رہنے کے لئے ایک نئی دنیا تعمیر کر رہی ہے۔ (اقبالؒ ـــ پیامِ مشرق)

اس نئے آدم اور اس کے رہنے کے لئے ایک نئی دنیا کی تعمیر، دنیا کے دیگر ممالک میں جس انداز سے ہو رہی ہے، ہمیں سردست اس سے بحث مقصود نہیں۔ ہم اس وقت یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ یہ تعمیر مسلمانوں کے ممالک میں بالعموم، اور پاکستان میں بالخصوص کن خطوط پر ہو رہی ہے۔ ہمارے ہاں اس وقت ایک عجیب قسم کا شور مچ رہا ہے۔ قدیم مذہب پرست طبقہ نالہ کناں ہے کہ نئی پود، مذہب سے بیگانہ ہی نہیں بلکہ متنفر اور سرکش ہو رہی ہے اور نئی پود شکوہ سنج ہے کہ جن باتوں کے ماننے پر ہمیں مجبور کیا جاتا ہے وہ ہماری عقل و فہم میں نہیں آتیں۔ مذہب پرست طبقہ کا جواب یہ ہے کہ مذہب کے معاملہ میں عقل و فکر کا دخل ہی کچھ نہیں۔ اس کا تعلق ایمان سے ہے اور ایمان کے معنی ہیں کسی بات کو آنکھیں بند کر کے مان لینا۔ نئی پود کا اعتراض یہ ہے کہ جو بات آنکھیں بند کر کے مجبوراً مان لی جائے اسے "ماننا" کہا ہی نہیں جا سکتا۔ "ماننا" (CONVICTION) کہلاتا ہے اور جب تک کسی معاملہ میں انسان کا قلب و دماغ مطمئن نہ ہو وہ اس سے (CONVINCED) ہوتا ہی نہیں۔ لہٰذا اس قسم کے قہراً و جبراً مان لینے کو ایمان کہا ہی نہیں جا سکتا۔ ہماری بات سنئے۔ پھر ہمیں دلائل و براہین سے سمجھائیے۔ ہمارے شکوک رفع کیجئے۔ اعتراضات کا جواب دیجئے۔ اور اس طرح ہمیں مطمئن کیجئے۔ اس کے بغیر ہم کسی بات کے ماننے کے لئے تیار نہیں۔ مذہب پرست طبقہ انہیں مطمئن نہیں کر سکتا۔ لیکن بجائے اس کے کہ وہ اپنی شکست کا اعتراف اور عجز کا اقرار کرے، وہ "مقدس گالیوں" پر اتر آتا ہے۔ ملحد۔ بے دین۔ مرتد۔ کافر۔ بے حیا۔ بے شرم۔ بے غیرت۔ ملعون۔ تہذیبِ مغرب کے فرزند۔ ننگِ اسلاف۔ جہنم کا ایندھن ـــ اور قس علیٰ ہذا۔

یہ ہے وہ کشمکش جس میں اس وقت ہمارا معاشرہ مبتلا ہے۔ اور یہ ہے وہ نہایت سنگلاخ اور پُرخار وادی جس سے یہ کاروان گزر رہا ہے۔ یہ کشمکش نہ قدیم و جدید کی ہے نہ دین اور لادینی کی۔ نہ یہ تہذیب مغرب اور روایات مشرق کا ٹکراؤ ہے۔ نہ بے حیائی اور حیاداری کا تصادم۔ یہ کشمکش ہے عقل و بصیرت اور کورانہ تقلید کی۔ یہ تصادم ہے فکری آزادی اور پیشوائیت کے قہرمانی استبداد کا۔ یہ ٹکراؤ ہے سورج کی روشنی اور چشمِ خفاش کا ـــ دنیا کی قریب قریب ہر قوم اس کشمکش میں مبتلا رہی، اور اس وادی پُرخار سے گزری ہے۔ اور گزرے گی۔ اس لئے کہ یہ وہ "بال سے باریک اور تلوار سے تیز پُل صراط" ہے جس پر سے گزرے بغیر آدم جنت میں قدم نہیں رکھ سکتا۔ یہی وہ تصادم تھا جو آج سے چودہ سو سال پہلے، نزولِ قرآن کے زمانے میں وادیٔ حجاز میں رونما ہوا تھا ـــ اور شدید ترین انداز میں ہوا تھا۔ ایک طرف مذہبی پیشوائیت اور جاہلیت کی تمام قوتیں صف آرا تھیں اور دوسری طرف قرآن کی دعوت تھی۔ یہ دعوت اس کے سوا کیا تھی کہ تم حیوانی سطح سے بلند ہو کر انسانی سطح پہ آؤ اور جو کچھ کہا جا رہا ہے اسے عقل و بصیرت کی رُو سے پرکھو اور فکر و تدبر کی رُو سے اس کی تائید یا تردید کرو۔ اس دعوت دینے والے (علیہ التحیۃ والسلام) کا اعلان تھا کہ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ـــ (۱۲/۱۰۸)۔ ہم جو تمہیں خدا کی طرف دعوت دیتے ہیں تو علیٰ وجہ البصیرت دیتے ہیں۔ میں بھی یہی کرتا ہوں اور میرے متبعین بھی۔ وہ اس کی مخالفت کرتے تو ان سے کہا جاتا کہ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (۲/۱۱۱)۔ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو اس کے ثبوت میں دلیل پیش کرو۔ نہ ہم کوئی بات دھاندلی سے منوانا چاہتے ہیں نہ تم محض دھاندلی سے اس کی مخالفت کرو۔ ہماری پکار یہ ہے کہ

تَتَفَكَّرُوْا (۳۴/۴۶)۔

غور و فکر کرو۔ عقل و بصیرت سے کام لو۔ دلائل و براہین سے سمجھو۔ اور پھر کوئی فیصلہ کرو۔ اس کے جواب میں وہ کیا کہتے تھے؟ یہی کہ لَنُخْرِجَنَّكَ ..... وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا (۷/۸۸)۔ اگر تم اپنی اس دعوت سے باز نہ آئے تو دو باتوں میں سے ایک ضرور ہو کر رہے گی۔ یا تو تمہیں ہمارا مسلک اختیار کرنا ہوگا یا پھر ہم تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو اس بستی سے نکال باہر کریں گے۔ آپ نے اس دھاندلی کو ملاحظہ فرمایا؟

یہ اُن سے پوچھتے کہ جو کچھ تم کہتے ہو اور جس مسلک پر تم چل رہے ہو، اس کی تمہارے پاس سند اور دلیل کیا ہے؟ وہ کہتے ہیں کہ اس کی سند یہ ہے کہ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ (۲۶/۷۴)۔ ہم نے اپنے آباء و اجداد کو یہی کچھ کرتے دیکھا ہے۔ یہ ہمارے اسلاف کا مسلک ہے۔ اس لئے یہ یقیناً حق و صداقت پر مبنی ہے۔ جو کچھ اسلاف سے ہوتا چلا آرہا ہو، وہ غلط کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ اس کے جواب میں کہتے

کہ اَوَلَوْ کَانَ آبَاؤُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ شَیْئًا وَّ لَا یَھْتَدُوْنَ (۲/۱۷۰)۔ خواہ تمہارے اسلاف عقل و فکر سے کام نہ لیتے ہوں، اور نہ ہی خدا کے تجویز کردہ راستے پر چلتے ہوں تو کیا تم پھر بھی انہی کے طریقے کو حق و صداقت کی راہ قرار دیتے چلے جاؤ گے اور جو کچھ اس کے خلاف ہوگا اسے غلط اور باطل ٹھہراؤ گے؟ ان کے پاس اس کا جواب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا اَنْ قَالُوْا اقْتُلُوْہُ اَوْ حَرِّقُوْہُ ۔ (۲۹/۲۴)۔ اسے پکڑ لو، قتل کر دو، زندہ جلا دو۔ یہ تمہارے اسلاف کی توہین کرتا ہے، اور ان کے مسلک کو غلط قرار دیتا ہے۔ یہ وہ باتیں کہتا ہے کہ مَا سَمِعْنَا بِھٰذَا فِیْ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِیْنَ ۔ (۲۳/۲۴) جو ہم نے اپنے بزرگوں کے ہاں کہیں دیکھی سنی نہیں۔

یہ ان سے کہئے کہ سوال نہ اسلاف کا ہے نہ اخلاف کا۔ سوال یہ ہے کہ جو بات ہم کہتے ہیں اسے عقل و فکر کی کسوٹی پر پرکھو اور پھر دیکھو کہ وہ صحیح ہے یا غلط۔ حیوانی اور انسانی سطح زندگی کا فرق ہی یہ ہے کہ حیوانات عقل و فکر سے کام لے کر اپنے راستے کے غلط اور صحیح ہونے کا فیصلہ نہیں کرتے۔ وہ آنکھیں بند کئے اس روش پر چلے جاتے ہیں جس روش پر ان کے آباؤ اجداد چلتے آئے ہیں۔ حیوانات میں عقل و فکر ہوتی نہیں۔ اس لئے انہیں اپنی جبلت کے مطابق مجبوراً اس راستے پر چلنا ہوتا ہے۔ لیکن اگر انسان بھی، جسے خدا نے عقل و بصیرت عطا کی ہے انہی کی روش اختیار کرے تو اس سے بدتر اور کون ہو سکتا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے متعلق قرآن کریم نے کہا ہے کہ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰہِ الصُّمُّ الْبُکْمُ الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ ۔ (۲۲/۸)۔ یہ حقیقت ہے کہ خدا کے نزدیک، بدترین خلائق وہ لوگ ہیں جو عقل و فکر سے کام نہیں لیتے۔ اور گونگے بہرے بن کر جانوروں کی سی زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان کی یہ زندگی اس حقیقت پر شاہد ہوتی ہے کہ یہ لوگ پیدا ہی جہنم کے لئے ہوئے ہیں۔ (وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَھَنَّمَ کَثِیْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ) ان کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ لَھُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَھُوْنَ بِھَا۔ ان کے دل تو ہوتے ہیں لیکن وہ ان سے سمجھنے سوچنے کا کام نہیں لیتے۔ وَلَھُمْ اَعْیُنٌ لَّا یُبْصِرُوْنَ بِھَا۔ ان کی آنکھیں بھی ہوتی ہیں لیکن یہ ان سے دیکھنے کا کام نہیں لیتے۔ وَلَھُمْ اٰذَانٌ لَّا یَسْمَعُوْنَ بِھَا ۔ ان کے کان بھی ہوتے ہیں لیکن ان سے سننے کا کام نہیں لیتے۔ اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ (۷/۱۷۹)۔ یہ لوگ انسان نہیں، حیوان ہوتے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ راہ گم کردہ۔

یہ تھی عقل و بصیرت اور مذہبی دھاندلی کی وہ کشمکش جس سے نزول قرآن کے وقت داعیان الی الحق کی جماعت اور مذہبی پیشوائیت دوچار ہوئی۔ قرآن کریم نے اس دھاندلی کو ختم کیا۔ اور اس طرح انسانوں کو ان زنجیروں سے آزاد کرایا جن میں وہ مذہبی پیشوائیت کے استبداد کے ہاتھوں جکڑے چلے آرہے تھے، اور

ان بوجھل سلوں کو ان کے سر سے اتار پھینکا جن کے نیچے وہ دب رہے تھے۔ (۷/۱۵۷) یہ انسانیت پر خدا کا خاص فضل اور رحمت تھی جس کے لئے ان سے کہا گیا کہ جشنِ مسرت منائیں۔ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا۔ (۱۰/۵۸)۔ اسلام یہ انقلابِ عظیم لایا — یعنی اس نے اپنی دعوت (خدا کی کتاب) کو عقل و بصیرت کی رو سے پیش کیا اور فکر و تدبر کی رو سے لوگوں سے منوایا۔ اور یوں مذہبی پیشوائیت کی چاندلی کو ختم کر دیا۔ لیکن دنیا کیا دیکھتی ہے کہ کچھ ہی عرصے کے بعد، مذہبی پیشوائیت کی قوتیں پھر سے سر نکال رہی ہیں اور عقل و بصیرت کے خلاف خم ٹھونک کر کھڑی ہیں۔ دنیا کے فکر و نظر کے لئے یہی تبدیلی کچھ کم حیرت انگیز نہ تھی، کہ اس نے دیکھا کہ اس مرتبہ، مذہبی پیشوائیت یہود اور نصاریٰ کی نہیں بلکہ انہی مسلمانوں کی نمائندہ ہے جنہوں نے اس پیشوائیت کا خاتمہ کیا تھا۔ چنانچہ اب بساط اس انداز سے الٹی کہ اندھی تقلید کی بنا پر بات منوانے والے سچے اور پکے اسلام کے علمبردار قرار پا گئے، اور علم و بصیرت کی بنا پر قرآن کو پیش کرنے اور منوانے والے، یا بات ماننے کے لئے دلائل و براہین کا تقاضا کرنے والے، مرتد اور ملحد ٹھہرا دیئے گئے۔ یعنی بساط یکسر الٹ گئی اور

جنوں کا نام خرد رکھ دیا، خرد کا جنوں

جیسا کہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں، عقل و بصیرت کے خلاف لٹھ لے کر کھڑی ہو جانے والی مذہبی پیشوائیت کی قوت کا انحصار اس پر ہوتا ہے کہ عوام کے جذبات کو بھڑکا کر علم و بصیرت کے مدعیان کے خلاف اٹھا کھڑا کیا جائے۔ وہ عوام سے کہتے یہ ہیں کہ حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ۔ (۲۱/۶۸)۔ اگر تمہیں کچھ کرنا ہے تو کرنے کا کام یہ ہے کہ اس شخص کو زندہ جلا دو اور اس طرح اپنے معبودوں کا بول بالا کرو۔ اس سے ہم نے دیکھ لیا کہ جس کشمکش اور تصادم کا ذکر ہم نے شروع میں کیا ہے وہ درحقیقت

علم و بصیرت اور مشتعل کردہ جذبات

کی کشاکش کا نام ہے۔ اور ہمارے ہاں گزشتہ ہزار سال سے یہی کشمکش برابر جاری ہے۔ چونکہ اس دوران میں ملوکیت اور مفاد پرستی کے بل بوتے پر قدامت پرست مذہبی پیشوائیت صاحبِ اقتدار رہی ہے اس لئے اس نے علم و بصیرت کا سر ابھرنے ہی نہ دیا۔ بالفاظ دیگر، صدیوں سے اس قوم کے سطحی جذبات مسلسل ابھارے جاتے رہے ہیں اور انہیں علم و بصیرت اور فکر و تدبر کی طرف آنے ہی نہیں دیا گیا۔ نتیجہ اس کا یہ ہے کہ آج دنیا میں مسلمان خواہ وہ کسی علاقے میں ہوں، سب سے زیادہ جذباتی قوم ہے۔ اور چونکہ مذہب پرست طبقہ کی طرف سے مشتعل شدہ جذبات کو مقدس بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ اس لئے یہ اپنے جذباتی ہونے پر فخر کرتے ہیں۔ اور جو شخص جس قدر زیادہ جذباتی اور علم و عقل کا دشمن ہوا سے اسی قدر زیادہ دیندار اور "اسلام کا فدائی" تصور کیا جاتا ہے۔

تحریکِ پاکستان کے سلسلے میں ایک بات مسلم تھی اور وہ یہ کہ یہاں ملوکیت کا دور دورہ نہیں ہو گا۔ دوسری

بات (جو یوں کہئے کہ یا تو حسنِ اتفاق کا نتیجہ تھی یا کسی سوچی سمجھی اسکیم کا نتیجہ) یہ ہوئی کہ مذہبی پیشوائیت بالعموم مطالبۂ پاکستان کی مخالف تھی۔ نیشنلسٹ علماء بھی اس مطالبہ کے مخالف تھے۔ اور جماعتِ اسلامی بھی جو بہرحال اپنے آپ کو مذہبی جماعت کہتی تھی۔ لہٰذا تحریکِ پاکستان کے دوران یہ امر موجبِ اطمینان تھا کہ پاکستان میں مذہبی پیشوائیت کا استبداد نہیں ہوگا۔ لیکن اس قوم کی بدقسمتی ملاحظہ ہو کہ تشکیلِ پاکستان کے ساتھ ہی، جماعت اسلامی ایک منظم مذہبی پیشوائیت کی شکل میں یہاں آ پہنچی اور عوام کے جذبات کو بھڑکانے میں اسی طرح مصروف ہو گئی جس طرح وہ تحریکِ پاکستان کے دوران میں، مطالبۂ پاکستان کی مخالفت میں مشغول رہی تھی۔ آپ دیکھیں گے کہ اس جماعت کی طرف سے اس سولہ برس کے عرصے میں یہاں ایک ہی کام ہوا ہے اور وہ یہ کہ انہوں نے عوام کے مذہبی جذبات کی آگ کو برابر مشتعل رکھا ہے۔ نتیجہ اس کا یہ ہے کہ یہاں علم و بصیرت کا نام لینا سخت گناہ اور دلائل و براہین کا مطالبہ کرنا بدترین جرم بن گیا ہے۔ انہوں نے ملک میں نفرت۔ عداوت۔ بغض۔ انتقام کی فضا ایسی عام کر دی ہے کہ ان سے متاثر شدہ ہر سینہ ایک آتش دان اور ہر حلق ایک دوزخ نظر آتا ہے۔ یہ لوگ دوسروں کی تذلیل و تحقیر میں فخر محسوس کرتے اور استخفاف و استحقار کو باعثِ ثواب دارین سمجھتے ہیں ـــــ ہم یہ جلسہ نہیں ہونے دیں گے۔ ہم فلاں کو تقریر نہیں کرنے دیں گے۔ ہم لڑکیوں کو کالج جانے نہیں دینگے ہم خواتین کو باہر نکلنے نہیں دیں گے ـــ یہ اور اس قسم کے اور اعلانات ہر بازار اور لبِ سڑک، بڑے زور و شور سے سننے میں آئیں گے۔ ایسے نعرے لگانے والوں کی پیٹھ ٹھونکی جائے گی۔ اور وہ بھی اپنے آپ کو مجاہدِ اعظم سمجھنے لگ جائینگے۔ اس لئے کہ انہیں بتایا جاتا ہے کہ ایسا کرنا دین کی بہت بڑی خدمت ہے۔ ہمارے معاشرہ میں "خدائی فوجدار" کا محاورہ کبھی اچھے معنوں میں استعمال نہیں ہوا تھا۔ لیکن ان حضرات نے اپنے لئے اس لقب کو فخریہ منتخب کیا ہے۔ چنانچہ امیرِ جماعت اسلامی کا ارشاد ہے کہ

> یہ مذہبی تبلیغ کرنے والے واعظین اور مبشرین کی جماعت نہیں ہے۔ بلکہ خدائی فوجداروں کی جماعت ہے۔ (تفہیمات۔ حصہ اول۔ صفحہ)

چنانچہ ان "خدائی فوجداروں" کے ٹولے کے ٹولے آپ کو ہر جگہ گھومتے پھرتے دکھائی دیں گے۔ ان کے ہاتھوں نہ کسی کی عزت محفوظ ہوگی نہ آبرو۔ نہ کسی کو اپنے طور پر کچھ سوچنے سمجھنے کی آزادی ہوگی۔ نہ بولنے اور کچھ کرنے کی اجازت۔ اسلام وہ جسے یہ اسلام کہہ دیں۔ حق وہ جس کے حق ہونے کی سند ان کے ہاں سے مل جائے۔ یہ مذہب کے نام پر استبداد کی بدترین شکل ہے جو یہاں ہر صاحبِ فکر و شعور کے سر پر مسلط ہو رہا ہے۔ اور یہی ہے وہ استبداد جس کے خلاف ہماری نئی پود کا سمجھدار طبقہ صدائے احتجاج بلند کر رہا ہے اور جسے کچلنے کے لئے یہ طبقہ ہر ممکن حربہ استعمال کرنا جہاد سمجھتا ہے یہی ہے وہ شدید کشمکش جس سے اس وقت یہاں کا سوچنے اور سمجھنے والا ذہن دوچار ہے۔ اور اس سوال پر بار بار غور کر رہا ہے کہ کیا یہاں اس روش کو عام ہونے دیا جائے کہ مذہب کے نام پر عوام کے جذبات کو مشتعل کر کے، علم و

عقل اور فہم و فراست کا گلا گھونٹ دیا جائے، یا ایسی صورت پیدا کی جائے کہ جہالت کا استبداد دور کر کے یہاں علم کی شمعیں روشن کی جائیں۔ عقل و بصیرت کی قندیلیں جلائی جائیں۔ دلائل و براہین کی بالیدگی کے سامان بہم پہنچائے جائیں۔ کتابِ خداوندی کے حدود کے اندر رہتے ہوئے انسانی فکر کو آزادی دی جائے۔ علمی تحقیقات اور سائنٹفک ایجادات کے دروازے کھولے جائیں۔ دوسرے سے کوئی بات بہ جبر منوانے اور کرانے کی راہیں بند کی جائیں۔ ہر انسان کو بہ حیثیت 'انسان' واجب التکریم سمجھا جائے۔ اور اس میں مرد و عورت کی کوئی تخصیص نہ کی جائے۔ قوانینِ خداوندی کے علاوہ کسی پر کسی کی حکومت نہ ہو۔ نہ کوئی کسی پر اپنے خدائی فوجدار ہونے کی دھونس جما سکے۔ نہ ڈنڈے باز ہونے کا رعب۔ قانون کا احترام عام ہو۔ اور دعاندلی کی ہر راہ مسدود، تاکہ یہاں ہر شخص اطمینان کی سانس لے سکے۔ ورنہ اس وقت تو یہاں ہر شریف آدمی کا دم گھٹ رہا ہے۔

اگر آپ ایسا چاہتے ہیں تو اس کی ایک ہی شکل ہے۔ اور وہ یہ کہ اس استبداد کو ختم کیا جائے جو یہاں خدائی فوجدار بن کر لوگوں کے سر پر مسلط ہے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو یاد رکھئے، یہاں علم و فکر کی شمعیں بجھ جائیں گی اور عقل و فکر کے چراغ گل ہو جائیں گے۔ اور ہم اس مقام پر پہنچ جائیں گے جہاں یورپ اپنے دورِ احتساب (INQUISITION) کے زمانے میں تھا۔ اور اس کا جو نتیجہ ہوا کرتا ہے وہ تاریخ کے طالب علم سے پوشیدہ نہیں۔ بس یوں سمجھئے کہ اس میں ہر شخص کی جان۔ مال۔ آبرو۔ آزادی۔ بیوی۔ بچے۔ خدائی فوجداروں کے رحم و کرم پر ہوتے ہیں۔ اور انسانیت ایسے لرزہ انگیز عذاب میں مبتلا ہو جاتی ہے، جس کا تصور روح میں کپکپی پیدا کر دیتا ہے۔

اللہ تعالےٰ اس ملک اور قوم کو اس عذابِ الیم سے محفوظ رکھے۔

دینِ مُلّا

دینِ حق از کافری رسواتر است — زانکہ مُلّا مومنِ کافر گر است
شبنمِ ما در نگاہِ ما یم است — از نگاہِ او یمِ ما شبنم است
کم نگاہ و کور ذوق و ہرزہ گرد — ملت از قال و اقولش فرد فرد
مکتب و مُلّا و اسرارِ کتاب — کورِ مادر زاد و نورِ آفتاب

دینِ کافر فکر و تدبیرِ جہاد
دینِ مُلّا فی سبیل اللہ فساد

(اقبالؒ — جاوید نامہ)

طلوعِ اسلام کا چندہ

طلوعِ اسلام کی موجودہ شرحِ چندہ — "۸ روپے سالانہ" اور فی پرچہ "بارہ آنے" — سنہ ۱۹۵۶ء میں مقرر کی گئی تھی۔ اس دوران میں ہوش ربا گرانی کی وجہ سے اخراجات بہت زیادہ بڑھ گئے ہیں۔ اس کے پیشِ نظر فیصلہ کیا گیا ہے کہ —

یکم جنوری سنہ ۱۹۶۴ء سے طلوعِ اسلام کا سالانہ
چندہ دس روپے، اور فی پرچہ ایک روپیہ کر دیا جائے۔

اُمید ہے قارئین کرام اس باب میں ہم سے تعاون فرمائیں گے۔ ایجنٹ حضرات بھی اسے نوٹ فرمالیں۔

۲۔ طلوعِ اسلام کوئی کاروباری ادارہ نہیں۔ یہ قرآنی فکر کی نشر و اشاعت کے لئے مشنری ادارہ ہے۔ اور مجلہ طلوعِ اسلام اس فکر کے عام کرنے کا ذریعہ ہے۔ جس قدر اس رسالہ کی اشاعت زیادہ ہو گی اسی قدر یہ فکر عام ہو گی۔ لہٰذا احباب سے یہ بھی درخواست ہے کہ وہ طلوعِ اسلام کی اشاعت بڑھانے کیلئے اپنے حلقۂ احباب میں کوشش کریں جس کے لئے ہم اُنکے شکر گزار ہونگے۔ والسلام۔

(ناظم ادارہ طلوعِ اسلام)

باسمہ تعالیٰ

جماعتِ اسلامی

(خود اپنے آئینہ میں)

شائع کردہ:- ادارہ طلوعِ اسلام ۲۵ بی گلبرگ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جماعتِ اسلامی

(خود اپنے آئینہ میں)

راست بازی اور صداقت شعاری اسلام کے اہم ترین اصولوں میں سے ہے۔ اور جھوٹ اس کی نگاہ میں ایک بدترین برائی ہے۔ لیکن عملی زندگی کی بعض ضرورتیں ایسی ہیں جن کی خاطر جھوٹ کی نہ صرف اجازت ہے بلکہ بعض حالات میں اس کے وجوب تک کا فتویٰ دیا گیا ہے۔ (از سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ ترجمان القرآن مئی ۱۹۵۸ء)

جماعت اسلامی کے امیر سید ابوالاعلیٰ مودودی کی وہ زندگی جو لوگوں کے سامنے آئی ہے، ان کے مذکورہ بالا "اصول" کی زندہ شہادت ہے۔ وہ ایک بات کہتے ہیں اور نہایت دھڑلے سے کہتے ہیں ـــــ دھڑلے سے اس لئے نہیں کہ وہ بات کسی بلند اصول کی حامل ہوتی ہے۔ جسے پورے زور اور خروش کے ساتھ پیش کرنے کی ضرورت ہو۔ نہ ہی اس لئے کہ وہ بڑی جرأت اور بے باکی کے پیکر ہیں ـــــ جو شخص جھوٹ بولنے کو نہ صرف جائز بلکہ واجب سمجھتا ہو اس میں جرأت اور بے باکی ہو کیسے سکتی ہے؟ ـــــ وہ اپنی ہر بات کو دھڑلے سے اس لئے کہتے ہیں کہ ان میں انانیت، نخوت، تکبر، غرور اس شدت کا ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے آپ کو آسمان کی بلندیوں پر بیٹھے ہوئے اور باقی ساری دنیا کو زمین کی پستیوں کے ساتھ رینگتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ (اس کی شہادت ـــ خود ان کے اپنے گھرانے سے۔ ذرا آگے چل کر پیش کی جائے گی)

صاف انکار بہر حال وہ ایک بات نہایت دھڑلے سے کہتے ہیں لیکن بعد میں جب اس بات کی بنا پر ان پر کوئی اعتراض کیا جائے تو وہ اس سے صاف مکر جاتے ہیں۔ جب ان کی تحریر کا حوالہ دیا جائے تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ اسے سیاق سباق سے ہٹا کر پیش کیا گیا ہے۔ جب وہ تحریر دکھا دی جائے ـــــ

تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ اس سے مفہوم غلط لیا گیا ہے۔ اور جب اس کے بعد بھی انہیں کوئی راہ فرار نظر نہ آئے تو وہ نہایت دیدہ دلیری سے کہہ دیتے ہیں کہ ٹھیک ہے! میں نے یہ بات بطور ایک اصول کے کہی تھی۔ لیکن اصول اس لئے تھوڑے ہوتے ہیں کہ انسان ان پر ہر حالت میں عمل کرتا ہے۔ مصلحت کے ماتحت ان اصولوں میں ردوبدل بھی کیا جا سکتا ہے اور انہیں پس پشت بھی ڈالا جا سکتا ہے۔

اصولوں سے انحراف

اسے خود ان کے اپنے الفاظ میں سنئے۔ وہ لکھتے ہیں :-

"آئیڈیلزم کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی اپنے نصب العین کی انتہائی منزل سے کم کسی چیز کو آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے۔ اور جن اصولوں کو وہ پیش کرتا ہے ان پر سختی سے جما رہے۔ مگر واقعات کی دنیا میں یہ بات جوں کی توں کبھی نہیں چل سکتی۔ یہاں نصب العین تک پہنچنے کا انحصار ایک طرف ان ذرائع پر ہے جو کام کرنے والے کو بہم پہنچیں۔ دوسری طرف ان مواقع پر ہے جو اسے کام کرنے کے لئے حاصل ہوں۔ اور تیسری طرف موافق اور ناموافق حالات کے اس گھٹتے بڑھتے تناسب پر ہے جس سے مختلف مراحل میں اسے سابقہ پیش آئے۔ یہ تینوں چیزیں مشکل ہی سے کسی کو بالکل سازگار ملتی ہیں۔ کم از کم اہل حق کو تو یہ کبھی سازگار نہیں ملی ہیں۔ اور نہ آج ملنے کے کوئی آثار ہیں۔ اس صورت حال میں جو شخص یہ چاہے کہ پہلا قدم آخری منزل پر ہی رکھوں گا اور پھر دوران سعی میں کسی مصلحت و ضرورت کی خاطر اپنے اصولوں میں کسی استثنا اور لچک کی گنجائش بھی نہ رکھوں گا وہ عملاً اس مقصد کے لئے کوئی کام نہیں کر سکتا۔ یہاں آئیڈیلزم کے ساتھ برابر کے تناسب سے حکمت عملی کا ملنا ضروری ہے۔ وہی یہ طے کرتی ہے کہ منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے راستے کی کن چیزوں کو راستے کی پیش قدمی کا ذریعہ بنانا چاہیئے۔ کن کن مواقع سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ کن کن مواقع کے ہٹانے کو مقصد کی اہمیت دینی چاہیئے۔ اور اپنے اصولوں میں سے کن میں سے لچک ہونا اور کن میں اہم تر مصالح کی خاطر حسب ضرورت لچک کی گنجائش نکالنا چاہیئے۔" (ترجمان القرآن دسمبر ۱۹۵۶ء۔ بحوالہ نمبر ۱۸۔ ربیع الثانی ۱۳۸۳ھ)

مودودی صاحب کے خلاف (منجملہ دیگر امور) یہ الزامات عائد کئے جاتے ہیں کہ وہ :-

(۱) تحریک پاکستان کے دوران مسلم لیگ۔ قائداعظم اور خود مطالبہ پاکستان کی سخت مخالفت کرتے رہے اور

(۲) تشکیل پاکستان کے بعد بھی وہ حکومت کی مخالفت کرنے اور ملک میں انتشار پھیلانے میں مصروف رہے اور اب تک مصروف ہیں۔

مودودی صاحب اپنی عادت (یا اصول کے مطابق) ان الزامات سے انکار کرتے ہیں اور دھڑلے سے کہتے ہیں کہ یہ سب جھوٹا پروپیگنڈہ ہے جو ان کے خلاف ایک منظم سازش کے ماتحت کیا جاتا ہے۔ ہم اس سلسلہ میں اس سے پیشتر بہت کچھ

لکھ چکے ہیں لیکن چونکہ وقت گزرنے پر بہت سی باتیں لوگوں کے ذہن سے اُتر جاتی ہیں (اور مودودی صاحب ہمیشہ لوگوں کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر انہیں مبتلائے فریب رکھتے ہیں) اس لئے ہم آج کی نشست میں یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ کیا یہ الزامات حقیقت پر مبنی ہیں یا مودودی صاحب کے خلاف جھوٹا پراپیگنڈہ ہے۔

اس ضمن میں ہم دو باتیں ابتدا ہی میں واضح کر دینا ضروری سمجھتے ہیں۔ ایک یہ کہ طلوع اسلام نہ خود کوئی سیاسی پارٹی ہے نہ کسی سیاسی پارٹی سے اس کا تعلق ہے۔ نہ ہی یہ کوئی مذہبی فرقہ ہے۔ جسے بزم طلوع اسلام" کہا جاتا ہے

طلوع اسلام کی پوزیشن

وہ قرآنی فکر کی نشر و اشاعت کے لئے محض ایک اجتماعی کوشش کا ذریعہ ہے۔ ایسے ہی سمجھئے جیسے علامہ اقبالؒ کے پیغام کی نشر و اشاعت کے لئے "بزم اقبالؒ" قائم کر لی جائے۔ اس بزم کا ممبر بننے کے لئے جس فارم پر دستخط کرنے ضروری ہیں اس کا پہلا پیرا یہ ہے۔

بزم طلوع اسلام نہ کوئی سیاسی پارٹی ہے نہ مذہبی فرقہ۔ یہ ایک اجتماعی کوشش ہے۔ اس قرآنی فکر کی نشر و اشاعت کے لئے جسے ادارہ طلوع اسلام کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ اسلام میں جو غیر قرآنی تصورات شامل ہو گئے ہیں انہیں الگ کر کے پھر سے اس نظام کی تشکیل کے لئے فضا سازگار بنائی جائے جو عہد محمد رسول اللہ والذین معہ میں قائم ہوا تھا۔

اور اس کی شق (د) یہ ہے کہ

کوئی رکن کسی سیاسی پارٹی کا ممبر نہیں بن سکتا۔

بنا بریں نہ مودودی صاحب (یا ان کی جماعت سے) کوئی سیاسی رقابت ہے نہ مذہبی چشمک۔ نہ ہمیں ان کے مقابل میں انتخابات لڑنے ہیں۔ نہ حکومت کی کرسیوں پر قبضہ کرنا۔ بنا بریں ان کے خلاف جھوٹا پراپیگنڈہ کرنے کی ہمیں ضرورت ہی نہیں۔

دوسری بات یہ کہ ہمارے لئے مودودی صاحب یا جماعت اسلامی کی مخالفت، تازہ حالات کی پیدا کردہ نہیں۔

شروع سے مخالفت

ہم نے ان کی مخالفت تشکیل پاکستان سے بہت پہلے شروع کی تھی۔ اور تشکیل پاکستان کے وقت سے لے کر آج تک مسلسل کرتے چلے آئے ہیں۔ اس لئے کہ ہمارے نزدیک مطالبہ پاکستان نہ صرف مسلمانوں کی آزادی کے جذبہ پر مبنی تھا بلکہ وہ اسلام کی احیاء اور تقویت کا بنیادی ذریعہ تھا اور اس مطالبہ کی مخالفت ہمارے نزدیک مسلمانوں کی مخالفت تھی اور خود اسلام کی مخالفت۔ حصول پاکستان کے بعد ہم اس سرزمین کے تحفظ اور استحکام کو بھی دینی فریضہ سمجھتے ہیں۔ کیونکہ یہ دین کو ایک زندہ حقیقت بنانے کا ذریعہ ہے۔ اس لئے جو شخص یا جماعت اس خطۂ زمین کو خطرے میں ڈالنے کا موجب بنتی ہے وہ ہمارے نزدیک ملک کی غدار اور اسلام کی بدترین دشمن ہے۔ بنا بریں ایسے شخص یا جماعت کی اس قسم کی کوششوں کی مخالفت ہمارے نزدیک دینی فریضہ ہے۔ ہم اس جماعت کا اس کے یوم تاسیس سے بڑی گہری نظر سے مطالعہ کرتے چلے آئے ہیں جس سے ہم

اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ بڑی خطرناک جماعت ہے جسے اگر (خدانخواستہ) قوت اور اختیارات حاصل ہو گئے تو ان کے ہاتھوں کسی کی جان۔ مال۔ عزت۔ آزادی محفوظ نہیں رہ سکے گی۔ انہوں نے ابھی سے اعلان کر دیا ہے کہ اگر ملک میں زمام اقتدار ان کے ہاتھ میں آ گئی تو یہ مسلمانانِ پاکستان کو ایک سال کا نوٹس دیں گے کہ وہ جو ہیں تو اسلام کو چھوڑ کر کوئی اور مذہب اختیار کر لیں۔ جو لوگ اس کے باوجود مسلمان رہنا چاہیں گے ان پر ان کے احتساب کی نگاہ ہر وقت مسلط رہے گی۔ اور جس شخص کے متعلق یہ فیصلہ کریں گے کہ اس کی زندگی (ان کے نظریہ کی رو سے) اسلام کے مطابق نہیں اسے قتل کر دیا جائے گا۔

قتل کر دیا جائے گا

(دیکھئے رسالہ "مرتد کی سزا" کا آخری صفحہ) نیز انہوں نے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ ان کی قائم کردہ حکومت فاشستی اور اشتراکی حکومتوں کے مماثل ہو گی۔ چنانچہ مودودی صاحب لکھتے ہیں۔

اس نوعیت کا اسٹیٹ ظاہر ہے کہ اپنے عمل کے دائرے کو محدود نہیں کر سکتا۔ یہ ہمہ گیر اور کلی اسٹیٹ ہے۔ اس کا دائرۂ عمل پوری انسانی زندگی کو محیط ہے۔ یہ تمدن کے ہر شعبہ کو اپنے مخصوص اخلاقی نظریہ اور اصلاحی پروگرام کے مطابق ڈھالنا چاہتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں کوئی شخص اپنے کسی معاملہ کو پرائیویٹ اور شخصی (PERSONAL) نہیں کہہ سکتا۔ اس لحاظ سے یہ اسٹیٹ فاشستی اور اشتراکی حکومتوں سے ایک گونہ مماثلت رکھتا ہے۔ (اسلام کا نظریہ سیاسی)

فاشستی اسٹیٹ

حقیقت یہ ہے کہ نہ یہ جماعت کسی اصول کی پیدا کردہ ہے نہ اس کا اسلام کسی اصول کا آئینہ دار۔ یہ جماعت اور اس کا پیش کردہ اسلام، اس جماعت کے امیر (مودودی صاحب) کی اپنی ذہنیت اور نفسیاتی افتادِ طبیعت کا عکس ہیں۔ علمائے نفسیات کی تحقیق یہ ہے کہ کسی شخص کی نفسیاتی ذہنیت و کردار کے متعلق کسی نتیجہ پر پہنچنا ہو تو یہ دیکھنا چاہیئے کہ اس کی بچپن کی زندگی میں اس کی خصوصی افتادِ طبیعت کیا تھی۔ مودودی صاحب نے اپنے بچپن کی زندگی کے متعلق کچھ باتیں ایسی بتائی ہیں جن سے ان کی پوری نفسیاتی ذہنیت چھلک کر باہر آ جاتی ہے وہ لکھتے ہیں۔

مودودی صاحب کی بچپن کی زندگی!

میں اپنے گھر میں سب سے چھوٹا تھا۔ میرے ایک بھائی مجھ سے تین چار برس بڑے تھے۔ مجھے کھانے کی جو چیز ملتی تھی اسے میں فوراً کھا لیتا تھا مگر بھائی سنبھال کر کسی اچھے وقت پر کھانے کے لئے اٹھا رکھتے تھے۔ اس طرح جو پیسے ملتے تھے ان کو بھی میں فوراً خرچ کر ڈالتا تھا اور بھائی صاحب انہیں جمع کر کے کوئی اچھی چیز خرید لاتے تھے۔ بس یہ میرے اور ان کے درمیان جھگڑے کی مستقل بنیاد تھی۔ میں ہمیشہ ان کے حصے میں سے اپنا حق وصول کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ اور وہ ہمیشہ تھوڑی دیر مقابلہ کرنے کے بعد کچھ نہ کچھ میرے حوالے کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ اور اس طرح والدین کے حصے میں سے میں

پچہتر فیصدی کا مالک ہوتا تھا۔ پچاس فیصدی اپنے حساب میں اور پچیس فیصدی بڑے بھائی کے حساب میں۔ (چراغ راہ۔ جولائی ۱۹۵۳ء)۔

آپ نے غور فرمایا کہ یہ ذہنیت کس قسم کے کردار کی غماز ہے! یعنی ہر وقت دوسرے کا حصہ جھپٹ لینے کی فکر اور پھر اطمینان کہ فریق مقابل تھوڑی دیر تک مقابلہ کرنے کے بعد ہتھیار رکھ دیا کرتا ہے۔

پھر مودودی صاحب لکھتے ہیں۔

> مجھے سب سے زیادہ لطف اس وقت آتا تھا جب میں بیمار ہوتا تھا۔ جب مجھے کوئی چوٹ لگ جاتی تھی اور میرے والدین میرے لئے پریشان ہوتے تھے۔ اس لطف کی خاطر میں اپنے آپ کو کبھی جان بوجھ کر بھی خطرہ میں ڈالتا تھا۔ (ایضاً)

یہ خالص (SELF - CENTRED) اور (EGOISTIC) کردار کی ذہنیت ہے۔ یعنی دنیا بھر کی نگاہیں اس پر مرکوز ہوں۔ اور ایسا بننے کے لئے سب کچھ کرلیا جائے۔ اس ذہنیت نے مودودی صاحب کو بالآخر کیا بنا دیا؟ اس کے متعلق ان کے بڑے بھائی محترم مولانا ابوالخیر مودودی صاحب کی زبانی سنئے۔ بات یوں ہوئی کہ ماہنامہ

گھر کی شہادت

نگار (پاکستان) نے نیاز نمبر نکالنے کے سلسلے میں ملک کے ان مختلف ارباب قلم کو دعوت نگارش دی جنہیں کسی نہ کسی جہت سے جناب نیاز سے تعلق یا دلچسپی تھی۔ ان میں ابوالاعلیٰ مودودی اور ابوالخیر مودودی (صاحبان) کا نام سرفہرست آتا تھا کیونکہ انہوں نے بقول مولانا ابوالخیر صاحب قلم پکڑنا حضرت نیاز کی حاشیہ نشینی میں سیکھا تھا۔ (ابوالاعلیٰ صاحب نے اس فرمائش کے جواب میں کیا لکھا اور جناب نیاز نے اس پر کیا تبصرہ فرمایا یہ ایک الگ داستان ہے) مولانا ابوالخیر صاحب سے کہا گیا تھا کہ وہ نیاز صاحب کی بھوپال کی زندگی سے متعلق کچھ لکھیں۔ انہوں نے اس کے جواب میں کیا لکھا۔ بغور ملاحظہ فرمایئے۔ انہوں نے لکھا۔

بعد از خدا بزرگ

> جی ہاں! "نیاز اور بھوپال" پر لکھنے والا ایک ہی نا فرجام رہ گیا ہے۔ کاش ....!
> قمر کو مرحوم ہوئے ایک زمانہ بیت گیا۔ "ابوالاعلیٰ" بعد از خدا بزرگ[1] ہو گئے۔

اور یہ نا فرجام ..... (نگار۔ ستمبر ۱۹۶۳ء۔ صـ ۶۳)

ہم سمجھتے ہیں کہ مودودی صاحب کی ذہنیت، واقعات، طبیعت اور نفسیات کے متعلق اس سے صحیح تر اور بہتر تبصرہ اور ہو نہیں سکتا۔ فی الواقعہ مودودی صاحب اپنے آپ کو (معاذ اللہ) اسی مقام پہ سمجھتے ہیں۔ ذرا غور سے سنئے کہ مودودی صاحب اپنے آپ کو کس مقام پر فائز سمجھتے ہیں۔

---

[1] "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر" حضور نبی اکرمؐ کی شان اقدس میں نعتیہ مصرع ہے جس کا جواب نہیں۔

ان کا دعویٰ یہ ہے کہ

(۱) دین، خدا اور رسولؐ کی اطاعت کا نام ہے۔

(۲) خدا کی اطاعت، رسولؐ کی اطاعت میں سمٹ جاتی ہے۔

(۳) رسولؐ کی اطاعت احادیث کی رُو سے کی جاتی ہے۔

(۴) احادیث کے مجموعوں میں صحیح حدیثیں بھی ہیں اور ضعیف بھی۔ صحیح احادیث کی اطاعت رسول کی اطاعت ہوگی۔

مزاج شناسِ رسولؐ

اب سوال یہ پیدا ہوا کہ یہ کس طرح معلوم کیا جائے کہ صحیح احادیث کون سی ہیں اور ضعیف کون سی۔ اس کے جواب میں مودودی صاحب نے فرمایا۔

جس شخص کو اللہ تعالیٰ تفقہ کی نعمت سے سرفراز فرماتا ہے اس کے اندر قرآن اور سیرت رسولؐ کے خائر مطالعہ سے ایک خاص ذوق پیدا ہو جاتا ہے۔ جس کی کیفیت بالکل ایسی ہوتی ہے جیسے ایک پرانے جوہری کی بصیرت کہ وہ جواہر کی نازک سے نازک خصوصیات تک کو پرکھ لیتی ہے۔ اس کی نظر بحیثیت مجموعی شریعت حقہ کے پورے سسٹم پر ہوتی ہے اور وہ اس سسٹم کی طبیعت کو پہچان جاتا ہے۔ اس کے بعد جب جزئیات اس کے سامنے آتی ہیں تو اس کا ذوق اسے بتا دیتا ہے کہ کون سی چیز اسلام کے مزاج اور اس کی طبیعت سے مناسبت رکھتی ہے۔ اور کون سی نہیں رکھتی۔ روایات پر جب وہ نظر ڈالتا ہے تو اس میں بھی یہی کسوٹی رد و قبول کا معیار بن جاتی ہے۔ اسلام کا مزاج عین نبوت کا مزاج ہے۔ جو شخص اسلام کے مزاج کو سمجھتا ہے اور جس نے کثرت کے ساتھ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کا گہرا مطالعہ کیا ہوتا ہے وہ نبی اکرمؐ کا ایسا مزاج شناس ہو جاتا ہے کہ روایات کو دیکھ کر خود بخود اس کی بصیرت بتا دیتی ہے کہ ان میں کون سا قول یا کون سا فعل میرے سرکار کا ہو سکتا ہے اور کون سی چیز سنت نبویہ سے اقرب ہے۔ یہی نہیں بلکہ جن مسائل میں اس کو قرآن و سنت سے کوئی چیز نہیں ملتی ان میں بھی وہ کہہ سکتا ہے کہ اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے فلاں مسئلہ پیش آتا تو آپ اس کا فیصلہ یوں فرماتے۔ یہ اس لئے کہ اس کی روح، روح محمدیؐ میں گم اور اس کی بصیرت بصیرت نبویؐ کے ساتھ متحد ہو جاتی ہے۔ اس کا دماغ اسلام کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے۔ یہ انسان اسناد کا زیادہ محتاج نہیں رہتا۔ وہ اسناد سے مدد ضرور لیتا ہے مگر اس کے فیصلہ کا مدار اس پر نہیں ہوتا۔ وہ بسا اوقات ایک غریب، ضعیف منقطع السند مطعون فیہ حدیث کو بھی لے لیتا ہے۔ اس لئے کہ اس کی نظر اس افتادہ پتھر کے اندر ہیرے کی جوت دیکھ لیتی ہے اور بسا اوقات وہ ایک غیر معلل۔ غیر شاذ متصل السند مقبول حدیث

سے بھی اعراض کر جاتا ہے۔ اس لئے کہ اس جام زریں میں جو بادۂ معنی بھری ہوئی ہے وہ اسے طبیعتِ اسلام اور مزاجِ نبویؐ کے مناسب نظر نہیں آتی۔ (تفہیمات حصہ اول صفحہ ۳۲۳، ۳۲۴)

اس سے ظاہر ہے کہ "خدا و رسولؐ کی اطاعت" کا مدار سمٹ سمٹا کر "مزاج شناسِ رسول" کا فیصلہ قرار پا گیا۔ یعنی جس بات کے متعلق وہ کہہ دے کہ وہ رسولؐ اللہ کی ہے اس کی اطاعت، خدا اور رسول کی اطاعت قرار پا جائے جس سے وہ روک دے، اس کا ارتکاب، خدا اور رسول کی معصیت سمجھا جائے۔

اب سوال پیدا ہوا کہ اس دور میں "مزاج شناسِ رسول" کون ہیں! اس کے جواب میں، مودودی صاحب کے (اُس زمانے کے) دستِ راست مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے "منیر کمیٹی" کے سامنے یہ کہا کہ مزاج شناسِ رسولؐ، مودودی صاحب ہیں[1] اور ماہنامہ ترجمان نے اپنی جون ۱۹۵۳ء کی اشاعت میں لکھا تھا کہ "کوئی شک نہیں کہ مودودی صاحب کی شخصیت امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے"

یہ ہے وہ مقام جس پر مودودی صاحب فائز ہیں۔ چنانچہ انہوں نے نومبر ۱۹۵۱ء میں کراچی میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا۔

ان کی اطاعت خدا و رسولؐ کی اطاعت ہے

اسلامی نقطۂ نظر سے اقامتِ دین کی سعی کرنے والی جماعت میں جماعت کے اولی الامر کی اطاعت فی المعروف دراصل اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا ایک جزو ہے۔ جو شخص اللہ کا کام سمجھ کر یہ کام کر رہا ہے اور اللہ ہی کے کام کی خاطر جس نے کسی کو امیر مانا ہے وہ اس کے جائز احکام کی اطاعت کر کے دراصل اس کی نہیں، بلکہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتا ہے۔ (ہدایات صفحہ ۳۰)

یہ تو ٹھہرا جماعت اسلامی کے امیر کا مقام۔ اب رہے اس جماعت کے اراکین، سو اُن کے متعلق مودودی صاحب کا ارشاد سُن لیجئے۔ انہوں نے جولائی ۱۹۵۵ء میں سرگودھا میں ایک تقریر کے دوران میں فرمایا۔

اس وقت جماعت اسلامی نے دو بڑے کام کئے ہیں۔ پہلا کام جماعت نے یہ کیا ہے کہ اس نے اس ملک میں قابلِ اعتماد کیریکٹر رکھنے والے لوگوں کو منظم کیا ہے۔ اور یہ وہ چیز ہے کہ جس کی اس وقت ہمارے ملک کو بڑی ضرورت ہے۔ اس وقت کی صورتِ حال یہ ہے کہ ملک کی سیاسی جماعتوں۔ سرکاری ملازمین۔ تاجر اور صنعت پیشہ طبقہ، غرض ہر گروہ میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جن کے کیریکٹر اور کردار پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ قومی امانت کا کوئی کام ان کے

---

[1] ان تفصیلات کے لئے ادارہ کیطرف سے شائع کردہ کتاب "مزاج شناسِ رسولؐ" ملاحظہ فرمائیے۔

تمام صالحین چُن لئے گئے

سُپرد کر کے انسان مطمئن نہیں ہو سکتا۔ کوئی قول و قرار اس خطرے کے بغیر نہیں کیا جا سکتا کہ قول و قرار کرنے والے صاحب اپنے قول سے پھر نہ جائیں۔ اس کیفیت میں قوم کی عظیم اکثریت مبتلا ہے۔ جماعت اسلامی کی کوشش یہ رہی ہے کہ وہ دیکھے کہ اس سیرت و کردار والی قوم میں کہاں کہاں قابلِ اعتماد سیرت والے لوگ موجود ہیں۔ آج بھی ہماری کوشش یہی ہے کہ ایسے مضبوط کیریکٹر والے لوگوں کو منظم کیا جائے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ کچھ قابلِ اعتماد لوگ بھی اس ملک میں موجود ہیں۔ (بحوالہ اعتصام ۱۵ر جولائی ۱۹۵۵ء)

یعنی ملک کے بہترین اور قابلِ اعتماد سیرت و کردار کے حاملین کو چُن چُن کر اکٹھا کر لیا گیا ہے۔ یہ صالحین کا وہ گروہ ہے جسے جماعت اسلامی کہا جاتا ہے۔

ضمناً یہ بھی دیکھتے جائیے کہ ان صالحین کو امیرِ جماعت کی طرف سے کس کس قسم کے احکام دیئے جاتے ہیں جن کی اطاعت "خدا اور رسولؐ کی اطاعت قرار پاتی ہے" ــــ حکیم عبدالرحیم اشرف، مودودی صاحب کے ایک ممتاز قدیمی معتقد تھے۔ (وہ اب ان سے الگ ہو چکے ہیں) انہوں نے اپنے اخبار "المنبر" (جو اب المنیر کے نام سے شائع ہوتا ہے) کی ۱۹ر ستمبر ۱۹۵۸ء کی اشاعت میں لکھا تھا۔

رشوت دیجئے

میں نے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی سے ۱۰ر دسمبر ۱۹۵۷ء کو ملتان جیل میں ملاقات کی۔ اس موقع پر منجملہ دیگر امور کے "منکرینِ سنت" اور ان کے فتنے کا بھی ذکر آیا۔ اس پر مولانا ممدوح نے اشاعتِ لٹریچر کی ایک سکیم بتائی۔ اور اس کی تکمیل کے سلسلے میں فرمایا کہ آپ چوہدری غلام محمد صاحب[1] سے کہیں کہ وہ دفترِ طلوعِ اسلام سے رابطہ پیدا کریں اور وہاں کسی شخص کی تالیفِ قلوب کر کے اس سے طلوعِ اسلام کے پتے حاصل کریں۔

یہ تو اس زمرہ صالحین کے امیر کا کردار ہے۔ اب ان کی گفتار کا ایک آدھ نمونہ بھی ملاحظہ فرمائیے۔ مودودی صاحب سے کسی نے پوچھا کہ آپ ...... کے اعتراضات کا جواب کیوں نہیں دیتے۔ اس کے جواب

صالحین کی زبان

میں انہوں نے فرمایا کہ یہ لوگ نامرد ہیں۔ بے حیا ہیں۔ ان لوگوں کی باتوں کا جواب دینا ہماری توہین ہے۔ (ترجمان القرآن مارچ ۱۹۵۲ء)

ان کے مخالفین میں مولانا احمد علی مرحوم بھی تھے۔ ان کے لئے یہ صالحین کس کس قسم کے الفاظ استعمال کرتے تھے۔ ان کا نمونہ الاعتصام نے اپنی ۱۸ر نومبر ۱۹۵۵ء کی اشاعت میں یوں پیش کیا تھا (یاد رہے کہ یہ الفاظ نصراللہ خان صاحب

---

[1] جماعت اسلامی حلقۂ کراچی کے قیم۔

عزیز، مدیر ایشیا کے "رشحاتِ قلم" کے رہینِ منت تھے)۔ سنیئے۔

جاہل۔ بہتان طراز۔ مفتری۔ اخلاقی تعلیمات سے بے بہرہ۔ تقویٰ۔ تقدس۔ للہیت اور تقرب الی اللہ کا ڈھونگ رچانے والے۔ فریبی۔ جھوٹے۔ مذبوحی حرکتیں کرنے والے۔ علم و اخلاق سے بے تعلق۔ فاسد ذہنیت کے مالک۔ پیشہ ور دہینہ دار۔ عقل کے اندھے۔ غیر ذمہ دار۔ خدا اور مخلوق کی شرم سے بے بہرہ۔ بے حیا۔ بے وقوف۔ گھناؤنے اور مکروہ اخلاق کے مالک۔ دیوبند کی چراگاہ سے نکلے ہوئے۔ فریبی۔ دجل و کذب کے مالک۔ کفن چور۔ افیونی۔ شوریدہ سر وغیرہ وغیرہ[۲]

ان حضرات کے نزدیک "منکرِ حدیث" کون ہوتا ہے۔ ذرا اس کے متعلق بھی سن لیجئے۔ مولانا سید داؤد غزنوی پنجاب کے قابلِ احترام اہلِ حدیث خانوادہ کے ممتاز چشم و چراغ اور جمعیت اہلِ حدیث کے صدر ہیں۔ اگلے دنوں انہوں نے، عائلی قوانین کے سلسلے میں، مودودی صاحب کے مسلک سے اختلاف کرتے ہوئے یہ لکھ دیا کہ ان کی بعض شقیں اسلام کے خلاف ہیں۔ اس پر ان صالحین کا پارہ نہ معلوم کس ڈگری تک پہنچ گیا کہ ہیں! مزاج شناسِ رسول کے موقف سے اختلاف! چنانچہ اس جرم کی پاداش میں مولانا غزنوی کو "منکرِ حدیث" قرار دے دیا گیا اور ان کے خلاف ایک مہم شروع کر دی۔

ان تصریحات کی روشنی میں آپ خود ہی فیصلہ کر لیجئے کہ جب جماعت اسلامی یہ کہے کہ اس کا نصب العین یہ ہے کہ

پاکستان کی سیاسی قیادت کو ایک صالح قیادت میں بدل دیا جائے۔ (جماعت اسلامی کا منشور)

صالح قیادت سے مراد

تو اس سے مقصد کیا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ "صالح قیادت" سے مراد خود اپنی پارٹی ہے۔ اس جماعت کے نزدیک ان سے باہر کوئی "صالح" ہو ہی نہیں۔ حتیٰ کہ جو "صالحین" برسہا برس تک ان کے ساتھ رہے اور پھر ان کی اس قسم کی فریب کاریوں سے تنگ آ کر ان سے الگ ہو گئے تو الگ ہو جانے کے بعد نہ صرف یہ کہ وہ صالح نہ رہے، بلکہ انہیں ایسی ایسی سنائی گئیں اور ان کی سیرت و کردار کے متعلق وہ کچھ کہا گیا کہ توبہ بھلی! لہٰذا "صالح قیادت" سے ان لوگوں کی مراد اپنی پارٹی کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ اور یہی وہ چیز ہے جس سے یہ جماعت عوام کو دھوکا دیتی ہے۔ ملک کی باقی سیاسی پارٹیاں کھلے بندوں کہتی ہیں کہ ہم ملک میں اپنی پارٹی کی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن یہ کہتے ہیں کہ ہم تو صرف غیر صالح قیادت کو صالح قیادت میں

۲۔ ہم نے ان الفاظ کو دل پر جبر کر کے، مولانا کے مرحوم کے ارادت مندوں سے صد معذرت کے ساتھ نقل کیا ہے۔

بدلنا چاہتے ہیں۔ اور مراد اس سے وہی ہوتی ہے جو ملک کی ہر دوسری پارٹی کہتی ہے۔ آپ نے غور فرمایا کہ اس طرح یہ جماعت کس طرح عوام کو فریب میں مبتلا رکھتی ہے۔ اور ذاتی اقتدار کے حصول کے لئے اسلام کو کس طرح سپر بناتی ہے۔ یہ جماعت، نہایت معصوم بن کر لوگوں سے کہتی ہے کہ ہمارا مقصد تو پاکستان میں اسلامی نظام کا قیام اور صالح قیادت کو برسرِ اقتدار لانا ہے۔ اور ان کا دعویٰ یہ ہے کہ مودودی صاحب کے علاوہ نہ کوئی شخص صحیح اسلامی نظام کا سمجھنے والا ہے اور ان کی جماعت کے علاوہ نہ کسی کی قیادت صالح قیادت قرار پا سکتی ہے۔

یہ ہے، وہ جماعت، اور اس کے امیر، جو اس ملک میں اسلام کے نام پر دھوکا دے کر اپنی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد آپ خود ہی فیصلہ کر لیجئے کہ یہ جماعت ملک کے لئے خطرناک ہے یا نہیں۔ اور اس کی مخالفت ہر اس شخص کے لئے ضروری ہے یا نہیں جو اپنے دل میں پاکستان کے تحفظ اور اسلام کے فروغ کا جذبہ رکھتا ہو۔

ان تمہیدی گزارشات کے بعد اب آپ ان الزامات کی طرف آیئے جو مودودی صاحب کے خلاف لگائے جاتے ہیں۔ (جن کا ذکر ہم شروع میں کر چکے ہیں) اور جنہیں وہ اپنے خلاف جھوٹا پراپیگنڈہ قرار دیتے ہیں۔

تحریکِ پاکستان کے دوران میں مسلم لیگ، قائداعظمؒ اور مطالبۂ پاکستان کی مخالفت

قبل اس کے کہ ہم یہ دیکھیں کہ جماعت اسلامی کے امیر سید ابوالاعلیٰ مودودی نے مسلم لیگ، قائداعظمؒ اور مطالبۂ پاکستان کی کس قدر شدید مخالفت کی۔ چند الفاظ میں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ اُس وقت کی سیاست کیا تھی۔ اور اس میں مسلم لیگ کا مقام اور موقف کیا۔ اُس وقت صورت یہ تھی کہ انگریز، ہندوستان سے جا رہا تھا اور ملک کو ہندوؤں کی ملکیت میں دے جانے کی تیاری ہو رہی تھی۔ یہ ظاہر ہے کہ اگر ایسا ہو جاتا تو مسلمان ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہندوؤں کا غلام بن کر رہ جاتا۔ اس لئے کہ عصرِ حاضر میں حکومت کی جو بہترین شکل (جمہوریت) سمجھی جاتی ہے اگر وہاں وہ بھی قائم ہو جاتی تو اس میں بھی مسلمان ایک مستقل اقلیت کی حیثیت میں رہتے اور لادینی جمہوریت میں اقلیت کا جو حشر ہوتا ہے وہ سب کے سامنے ہے۔ مسلمانوں کو اس عظیم خطرے سے بچانے کے لئے مسلم لیگ نے یہ مطالبہ پیش کیا کہ جن علاقوں میں مسلمان اکثریت میں ہیں انہیں ہندوستان سے الگ کر دیا جائے تاکہ ان میں مسلمان اپنی آزاد حکومت قائم کر کے اسلامی نظام کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔ ہندو اور انگریز دونوں کی طرف سے اس مطالبہ کی مخالفت ہوئی اور اس طرح وہاں ان میں اور مسلم لیگ میں جنگ چھڑ گئی یہ جنگ خالصتہً آئینی تھی۔ بدقسمتی سے کچھ مسلمان بھی (جو اپنے آپ کو نیشنلسٹ کہتے تھے) مسلم لیگ کے خلاف تھے اور ہندو انہیں آگے بڑھا کر یہ دعویٰ کرتا تھا کہ پاکستان کا مطالبہ جمہور مسلمانوں کا مطالبہ نہیں۔ اس کے جواب میں

یہ بات منوانے کی ضرورت تھی کہ

۱۔ مسلم لیگ مسلمانانِ ہند کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔

۲۔ مسلم لیگ کے صدر قائداعظم "محمد علی جناح" جمہور مسلمانوں کے صحیح نمائندہ اور ترجمان ہیں اور

(۳) پاکستان کا مطالبہ جسے قائداعظم پیش کر رہے تھے، جمہور مسلمانوں کا مطالبہ ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ اُس وقت کوئی ایسی کوشش جو ان دعاوی میں سے کسی ایک کو بھی کمزور کرنے کا موجب بنتی، مطالبۂ پاکستان کی مخالفت تھی۔

تحریکِ پاکستان کے خلاف مودودی صاحب کا کردار!

اب آپ یہ دیکھئے کہ مودودی صاحب نے ان دعاوی کو کمزور کرنے کے لئے ہی نہیں بلکہ یکسر تباہ کرنے کے لئے کیا کچھ کیا۔ اگر ہم اس کی تفصیل میں جانا چاہیں تو اس کے لئے ضخیم کتاب کی ضرورت ہوگی۔ اس لئے کہ مودودی صاحب اُس زمانے میں مسلسل اور متواتر اس تحریک کے خلاف لکھتے رہے۔ اور ان کا اس دور کا لٹریچر ان باتوں سے بھرا پڑا ہے۔ لہٰذا ہم عدم گنجائش کی وجہ سے چند ایک اقتباسات پر اکتفا کریں گے۔ انہوں نے سیاسی کشمکش (حصہ سوم) کے شروع میں مسلم لیگ کی قیادت کے متعلق لکھا تھا۔

"اس نئی تحریک کے دور میں عام مسلمین کی قیادت و رہنمائی ایک ایسے گروہ کے ہاتھ چلی گئی جو دین کے علم سے بے بہرہ ہے۔ اور محض قوم پرستانہ جذبہ کے تحت اپنی قوم کے دنیوی مفاد کے لئے کام کر رہا ہے۔ دین کا علم رکھنے والا عنصر اس گروہ میں اتنا بھی نہیں جتنا آٹے میں نمک ہوتا ہے۔ اور اس قدر قلیل کو بھی کوئی دخل رہنمائی میں نہیں ہے اور میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ ہندوستان میں اس سے پہلے کبھی عام مسلمانوں کا اعتماد علمائے دین سے ہٹ کر اس شدت کے ساتھ غیر دین دار اور ناواقف دین رہنماؤں پر نہیں جما تھا۔"

تحریکِ پاکستان کے قائدین کے خلاف

واضح رہے کہ اُس زمانے میں وہ لوگ جنہیں "علمائے دین" کہا جا رہا ہے، بیشتر نیشنلسٹ مسلمانوں کے گروہ میں شامل تھے۔ اس لئے مودودی صاحب کی اس سے مراد یہی تھی کہ یہ سیاسی قیادت میرے ہاتھ میں کیوں نہیں دی گئی۔ ان لوگوں کے ہاتھ میں کیوں دی گئی ہے۔

جن کے خیالات۔ نظریات۔ اور طرزِ سیاست اور رنگِ قیادت میں خورد بین لگا کر بھی اسلام کی کوئی چھینٹ نہیں دیکھی جا سکتی۔ ان کا یہ حال ہے کہ چھوٹے سے چھوٹے مسائل سے لے کر بڑے سے بڑے مسائل تک کسی معاملہ میں بھی انہیں قرآن کا نقطۂ نظر نہ تو معلوم ہی ہے اور نہ ہی

اسے تلاش کرنے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ انہیں تو یہ ہدایت صرف مغربی قوانین و دساتیر ہی میں ملتا ہے۔ (ترجمان القرآن۔ ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ)

قائداعظمؒ کی عظمتِ کردار پر حملہ

اسی پرچے میں وہ دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

افسوس کہ لیگ کے قائداعظمؒ سے لے کر چھوٹے مقتدیوں تک ایک بھی ایسا نہیں جو اسلامی ذہنیت اور اسلامی طرز فکر رکھتا ہو اور معاملات کو اسلامی نقطۂ نظر سے پرکھتا ہو۔ (ایضاً)

مسلمانوں کی کافرانہ حکومت

جب ان سے کہا جاتا کہ ہندو اکثریت کے تسلط سے چھوٹ کر آزاد مسلمانوں میں اس بات کا امکان تو ہو جائے گا کہ وہ اپنے ہاں اسلامی حکومت قائم کرلیں تو وہ اس کے جواب میں کہتے۔

جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ اگر مسلم اکثریت کے علاقے ہندو اکثریت کے تسلط سے آزاد ہو جائیں اور یہاں جمہوری نظام قائم ہو جائے تو اس طرح حکومت الٰہی قائم ہو جائے گی۔ ان کا گمان غلط ہے۔ دراصل اس کے نتیجہ میں جو کچھ حاصل ہوگا وہ مسلمانوں کی کافرانہ حکومت ہوگی۔

(ترجمان القرآن محرم ۱۳۶۰ھ ص۲۹)

یہ ناممکن ہے

اسی پرچے میں وہ آگے چل کر لکھتے ہیں۔

بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ایک دفعہ غیر اسلامی طرز ہی کا سہی مسلمانوں کا قومی اسٹیٹ تو قائم ہو جائے پھر رفتہ رفتہ تعلیم و تربیت اور اخلاقی اصلاح کے ذریعہ اس کو اسلامی اسٹیٹ میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ مگر میں نے تاریخ۔ سیاسیات اور اجتماعیات کا جو تھوڑا بہت مطالعہ کیا ہے اس کی بنا پر میں اس کو ناممکن العمل سمجھتا ہوں۔ اور اگر یہ منصوبہ کامیاب ہو جائے تو میں اس کو ایک معجزہ سمجھوں گا۔ (ایضاً ص۲۶)

لادینی مملکت کا شوشہ

پاکستان کی تحریک آگے بڑھ رہی تھی اور مودودی صاحب اس کی مخالفت میں بھی تیز سے تیز تر ہوتے جا رہے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ترجمان القرآن بابت فروری ۱۹۴۶ء میں لکھا۔

جنت الحمقا میں رہنے والے لوگ اپنے خوابوں میں خواہ کتنے ہی سبز باغ دیکھ رہے ہوں۔ لیکن آزاد پاکستان (اگر فی الواقع وہ بنا بھی تو) لازماً جمہوری لادینی اسٹیٹ کے نظریہ پر بنے گا۔ جس میں غیر مسلم اسی طرح برابر کے شریک ہوں گے جس طرح مسلمان اور پاکستان میں ان کی تعداد

اتنی کم اور ان کی نمایندگی کی طاقت اتنی کمزور نہ ہوگی کہ شریعتِ اسلامی کو حکومت کا قانون اور قرآن کو اس جمہوری نظام کا دستور بنایا جا سکے۔

۱۷۔ ۱۸۔ اپریل ۱۹۴۶ء کو یعنی قیامِ پاکستان سے کوئی چار مہینے پہلے لوٹک میں اسلامی جماعت کا ایک اہم جلسہ ہوا جس میں مودودی صاحب سے مسلم لیگ کے بارے میں سوالات کئے گئے ـــــ ان سے پوچھا گیا کہ جب غیر مسلم قومیں مسلمان کے وجود کو مٹانے کے لئے سفاکی اور خونریزی سے کام لے رہی ہیں تو ان حالات میں جماعت ان کا ساتھ کیوں نہ دے۔ دوسرا سوال یہ تھا کہ اگر ہم نے اس وقت مسلم لیگ کا ساتھ نہ دیا تو غیر مسلم اکثریت سارے ملک پر اور مسلمانوں پر مسلط ہو جائے گی۔ مودودی صاحب نے ان سوالات کا حسب ذیل جواب دیا۔

"ان سوالوں کا واضح مطلب یہ ہے کہ موجودہ حالات میں مسلمانوں کی اس قومی تحریک کا ساتھ دیا جائے۔ اور جب یہ حالات ختم ہو جائیں تو پھر ان کا ساتھ چھوڑ دیا جائے کیونکہ اسے تو سائل صاحب خود بھی تسلیم کرتے ہیں کہ یہ تحریک غیر اسلامی ہے مگر میں ان کو یقین دلاتا ہوں کہ جس قسم کے حالات دیکھ کر وہ ہم سے اس وقت یہ مطالبہ کر رہے ہیں ایسے حالات کبھی ختم نہ ہوں گے مسائل پر مسائل پیدا ہوتے جائیں گے اور ہر مسئلہ پہلے مسئلہ سے شدید تر ہوگا اور آپ کہیں بھی لکیر نہیں کھینچ سکیں گے کہ فلاں حد تک تو ہم ان قومی تحریکوں کا ساتھ دیں گے اور وہاں پہنچ کر ان کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ یہ تو ہے اس سوال کا ایک رُخ۔ دوسرا رُخ جو اس سے کہیں زیادہ قابلِ غور ہے وہ یہ ہے کہ جب آپ ایک تحریک کو خود غیر اسلامی مان رہے ہیں تو پھر کس منہ سے ایک مسلمان سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ اس کا ساتھ دیتا جائے۔ جن مسائل اور مصائب کا اس قدر رونا رویا جا رہا ہے یہ مسائل اور مصائب سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتے اگر مسلمان اسلام کے فی الواقع سچے نمایندے ہوتے۔ اور اگر مسلمان اب بھی سچے مسلمان بن جائیں تو آج ہی یہ سارے مسائل ختم ہو جاتے ہیں۔ یہ لوگ ہندوستان کے ایک ذرا سے کونے میں پاکستان بنانے کو اپنا انتہائی مقصد بنائے ہوئے ہیں۔ لیکن اگر یہ فی الواقع خلوصِ قلب سے اسلام کی نمائندگی کے لئے کھڑے ہو جائیں تو سارا ہندوستان پاکستان بن سکتا ہے اور اس میں ایک لادینی جمہوری حکومت (SECULAR DEMOCRACY) یا عوامی پارلیمنٹری حکومت (POPULAR PARLIAMENTARY GOVT) نہیں بلکہ خالص خدا کی حکومت کتاب و سنت کے اصول پر قائم ہو سکتی ہے۔

اسلام کی لڑائی اور قومی لڑائی ایک ساتھ نہیں لڑی جا سکتی۔ اگر لوگ اسلام اور اسلامی

طریق کار کو اپنی خواہشات نفس کے خلاف پاکر ان کو ترک کر دینا چاہتے ہیں تو ہیر پھیر کے راستوں سے آنے کے بجائے صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ اللہ اور رسول کے کام کو چھوڑیئے اور ہمارے نفس کے کام میں حصہ لیجئے۔ (ترجمان القرآن جلد ۳۰۔ عدد ۶ بحوالہ جماعت اسلامی پر ایک نظر ص ۲۳)

ایک اور پیش زنی

اس کے ایک ہفتہ بعد ۲۶۔ اپریل ۱۹۴۷ء کو جماعت اسلامی کے اجتماع مدراس میں مودودی صاحب نے تقریر کرتے ہوئے کہا۔

"عنقریب ملک تقسیم ہو جائے گا۔ ہندوؤں کو ان کی اکثریت کے علاقے اور مسلمانوں کو ان کی اکثریت کے علاقے الگ الگ مل جائیں گے۔ دونوں اپنے علاقوں میں پوری طرح خود مختار ہوں گے اور اپنی مرضی کے مطابق اپنے اسٹیٹ کا نظام چلائیں گے۔ یہ بڑا تغیر اس نقشے کو بدل دے گا جس پر اس وقت تک حالات چلتے رہے ہیں۔ اس کی وجہ سے ہندوؤں اور مسلمانوں اور دوسری تمام قوموں کے مسائل اور ان کی نوعیتیں بالکل بدل جائیں گی۔۔۔ بدلے ہوئے حالات میں ان سب کو سوچنا پڑے گا کہ جو کچھ اب تک وہ کرتے رہے ہیں اس نے انہیں کہاں لا کھڑا کیا ہے۔ اور اب اس نئے دورِ زندگی میں ان کے لئے راہِ عمل کیا ہے؟"

"آج کے بنے اور بچے ہوئے عقیدے اس وقت تک بھس ہو جائیں گے۔ آج کے خیالات اور تصورات کے لئے اس وقت ——— کوئی جگہ نہ ہو گی۔ آج کے نعرے اس وقت کھوٹے سکے ہوں گے جنہیں کوئی مفت کو بھی نہ پوچھے گا۔ جن بنیادوں پر آج کی قومی تحریکیں اور جماعتیں قائم ہیں وہ خود بخود ڈھ جائیں گی۔ اس لئے صرف یہی نہیں کہ آج کی لیڈریاں طبعی موت مر جائیں گی بلکہ بعید نہیں کہ جو لوگ آج انہیں اپنا نجات دہندہ سمجھ رہے ہیں کل وہی ان کو اپنے مصائب و آلام کا اصلی سبب سمجھنے لگیں۔" (بحوالہ مولانا مودودی۔ دعاوی اور عمل ص ۱۲)

بیابانِ مرگ کی پھبتی

اس کے بعد انہوں نے کہا۔

ہندو اکثریت کے علاقے میں مسلمان عنقریب یہ محسوس کر لیں گے کہ جس قوم پرستی پر انہوں نے اپنے اجتماعی رویہ کی بنیاد رکھی تھی وہ انہیں بیابانِ مرگ میں لا کر چھوڑ گئی ہے۔ اور ان کی قومی جنگ جسے وہ بڑے جوش و خروش سے بغیر سوچے سمجھے لڑ رہے تھے ایک ایسے نتیجے پر ختم ہوئی ہے جو ان کے لئے تباہی کے سوا اپنے اندر کچھ نہیں رکھتا۔" (ایضاً)

مرکب حماقت

پھر انہوں نے اقلیت کے مسلمانوں کو "اکسانے" کے لئے کہا۔

"یہ ایک ظاہر و باہر حقیقت تھی، مگر مسلمانوں نے اس کی طرف سے جانتے بوجھتے

آنکھیں بند کیں۔ اور اس دوہری حماقت کا ارتکاب کیا کہ ایک طرف تو نظام حکومت کے لئے مغرب کی انہی جمہوری اصولوں پر راضی ہو گئے اور دوسری طرف خود اپنی طرف سے تقسیم ملک کا یہ اصول پیش کیا کہ جہاں ہم اکثریت میں ہیں وہاں ہم حاکم اور تم محکوم ہو۔ اور جہاں تم اکثریت میں ہو وہاں تم حاکم اور ہم محکوم ہوں۔ کئی سال کی تلخ اور خوں ریز قومی کشمکش کے بعد اب یہ مرکب حماقت کامیابی کے مرحلے پر پہنچ گئی ہے۔ اور جس چیز کے لئے اقلیت کے مسلمان خود لڑ رہے تھے وہ حاصل ہوا چاہتی ہے۔ یعنی اکثریت کی آزاد و خود مختار حکومت جس میں وہ بہ حیثیت ایک قوم کے محکوم ہوں گے۔ اور محکوم بھی اس اکثریت کے جس سے وہ قومی جنگ لڑتے رہے ہیں۔" (ایضاً)

ہائے میری دعوت

اور آخر میں ایک سرد آہ بھرتے ہوئے فرمایا۔

"اگر یہ (مسلمان) قوم پرستانہ سیاست کی راہ اختیار کرنے کے بجائے اس راہ کو اختیار کرتے اور جس طرح پچھلے دس سال میں انہوں نے اپنی پوری، قومی طاقت کو اس راہ پر لگایا ہے۔ اسی طرح کہیں اس راہ (مودودی صاحب کی تجویز کردہ) پر لگایا ہوتا تو آج ہندوستان کی سیاست کا نقشہ بالکل بدلا ہوا ہوتا۔ اور دو چھوٹے چھوٹے پاکستانوں کی جگہ سارے ہندوستان کے پاکستان بن جانے کے امکانات ان کی آنکھوں کے سامنے ہوتے لیکن اس وقت میری یہ دعوت انہیں دشمن کی دعوت یا ایک دیوانے دوست کی دعوت محسوس ہوئی۔"

(ایضاً)

خود مسلمانوں کے خلاف

جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے، مودودی صاحب نے یہ باتیں اس زمانے میں کہی تھیں۔ جب مسلمانانِ ہند کی قسمت کے آخری فیصلے ہو رہے تھے اور کہی تھیں ان علاقوں میں جہاں مسلمان اقلیت میں تھے۔ اگر (خدانخواستہ) وہ لوگ ان کی باتوں میں آکر اس وقت مسلم لیگ کی مخالفت میں اٹھ کھڑے ہوتے تو آپ سوچئے کہ ہندو اور انگریز کے ہاتھ کس قدر مضبوط ہو جاتے۔ انہوں نے مخالفت کی اس مہم کو دس سال پہلے شروع کیا تھا جب کہا تھا۔

"ایک حقیقی مسلمان کی حیثیت سے جب میں دنیا پر نگاہ ڈالتا ہوں تو مجھے اس امر پر اظہارِ مسرت کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ ترکی پر ترک۔ ایران پر ایرانی اور افغانستان پر افغانی حکمران ہیں ..... مسلمان ہونے کی حیثیت سے میرے لئے اس مسئلہ میں بھی کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ ہندوستان میں جہاں جہاں مسلمان کثیر التعداد ہیں وہاں ان کی حکومت قائم ہو جائے ..... مسلمان ہونے

کی حیثیت سے میری نگاہ میں اس سوال کی بھی کوئی اہمیت نہیں ہے کہ ہندوستان ایک ملک ہے یا دس ٹکڑوں میں تقسیم ہو جائے۔۔۔۔ مسلمان کی حیثیت سے میرے نزدیک یہ امر بھی کوئی قدروقیمت نہیں رکھتا کہ ہندوستان کو انگریزی امپیریلزم سے آزاد کرایا جائے۔" (ترجمان القرآن بابت ذی الحجہ ۱۳۵۷ھ)

شرمناک مذاق

اس دس سال میں وہ مسلسل اور متواتر اسی انداز سے لکھتے چلے گئے تھے۔ وہ ان تحریروں اور تقریروں میں مصروف تھے اور ان کے رفقاء، قائداعظمؒ کی ذات کو استہزاء اور استخفاف کا نشانہ بنانے میں مشغول ۔۔۔ چنانچہ اس جماعت کے آرگن (کوثر) نے اپنی ۱۳۔ جنوری سنہ ۱۹۴۷ء کی اشاعت میں قائداعظمؒ کا مذاق ان الفاظ میں اُڑایا۔

"ضرورت ہے ایک ہٹلر اور مسولینی کی"

اس زمانے میں ہٹلر نے جرمنی میں اور مسولینی نے اٹلی میں ظہور کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے اپنی قوموں کو زمینِ پستی سے اٹھا کر آسمانِ رفعت پر بٹھا دیا۔ مسلمانوں نے دوسروں کو اس طرح ترقی کرتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے بھی اپنے اشتہارات کی عبارت بدل ڈالی۔ اب ایک اخبارِ خیال کے صفحات پر یہ مضمون نظر آ رہا تھا ۔۔۔ "ضرورت ہے ایک ہٹلر اور مسولینی کی"

بالآخر ان کی اشتہار بازی کامیاب ہوئی۔۔۔۔ اور مسٹر جناح نے اپنی درخواست قیادت قوم کے حضور میں گزران دی۔ قوم نے باقی سب امیدواران قیادت کو برخاست کر دیا اور مسٹر جناح کو اپنا لیڈر تسلیم کر لیا۔ اور قائداعظمؒ زندہ باد کے نعروں سے فضائے ہند معمور ہو گئی۔ قائداعظمؒ نے بھی اپنے طرزِ عمل سے ثابت کر دیا کہ مہدی علیہ السلام نہ سہی۔ گرو ہاتوی۔ تو بنے۔ ہٹلر اور مسولینی کی طرح تو وہ قوم کی خدمت کر ہی سکتے ہیں۔ (بحوالہ مولانا مودودی ۔ دعاوی اور عمل ۔ صفحہ ۶)

اسی اخبار نے قیامِ پاکستان سے صرف ایک ماہ پہلے لکھا کہ "یہ پاکستان نہیں، فاقستان ہوگا" پھر اپنی دلی "لنگڑا پاکستان" کے عنوان سے ایک مقالہ افتتاحیہ بھی شائع کیا۔ واضح رہے کہ "کوثر" کے مدیر نصراللہ خاں عزیز تھے جو جماعت اسلامی لاہور کے امیر چلے آ رہے ہیں۔ انہوں نے قائداعظمؒ پر ہٹلر اور مسولینی کی پھبتی خود اپنے امیر ہی سے مستعار لی تھی جنہوں نے مسلم لیگ کے رہنماؤں کے متعلق لکھا تھا۔

"۔۔۔۔ یہ مسلمانوں کی قوم میں پیدا ہوئے، اس لئے مسلمانوں کی حکومت ان کا نصب العین بن گیا ہے۔ یہی ہندوؤں میں پیدا ہوتے تو مہاسبھائی اور سناتن دھرمی ہوتے۔ جرمنی میں پیدا ہوتے تو ہٹلر اور گوئرنگ کے ہمراہ نمودار ہوتے۔ کسی اطالوی کی آغوشِ محبت میں جنم لیتے تو مسولینی کی صورت

اختیار کرتے۔ (ترجمان القرآن۔ ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ ۱۹۴۱ء)

اسلام کی اجارہ داری کا مدعی

حتیٰ کہ انہوں نے یہاں تک بھی کہہ دیا تھا کہ انہیں اسلام کا نام استعمال کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ ان کے اصل الفاظ بھی سن لیجئے۔

"آپ اپنی قوم کا جو نام چاہیں تجویز فرمالیں۔ اسلام کا نام استعمال کرنے کا آپ کو حق نہیں ہے۔ کیونکہ اسلام آپ کی اس قومیت اور اس کلچر سے تبری کرتا ہے۔ اور میں نہیں سمجھتا کہ اسلام ہی کا نام استعمال کرنے پر آپ کو اصرار کیوں ہو، مسلمان کے معنی و مفہوم سے تو آپ کو کوئی بحث ہے نہیں۔ آپ کو تو لیس اپنی قومیت کے لئے ایک نام چاہیئے۔ سو اس غرض کے لئے آپ جو نام بھی وضع کرلیں وہ آپ کی مستقل اجتماعی حیثیت پر اسی طرح دلالت کرنے لگے گا۔ آخر اس نوع کی قومیت میں کون سی خصوصیت ہے جس کے لئے لفظ "مسلمان" ہی کا استعمال ضروری ہو؟ .... آپ انتہائی بے اصولی کے ساتھ کہیں ایک چیز کی حمایت کریں گے اس لئے کہ وہ آپ کے مفاد کے مطابق ہے۔ اور کہیں اسی چیز کی مخالفت کریں گے اس لئے کہ وہ آپ کے مفاد کے خلاف ہے۔ کبھی ایک پارٹی سے ملیں گے اور کبھی اسی پارٹی سے لڑیں گے۔ نہ اس لئے کہ آپ کے اور اس کے درمیان اصولی اتفاق یا اتحاد ہے۔ بلکہ صرف اس لئے کہ آپ کے پیشِ نظر اصول نہیں "قومی مفاد" ہے۔ یہ ابن الوقتی جو آپ کے کیریکٹر سے ظاہر ہوگی دنیا سمجھے گی کہ ایسا ہی کیریکٹر اسلام پیدا کرتا ہے" (ترجمان القرآن ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ ۱۹۴۱ء)

صوبہ سرحد کے ریفرنڈم کے موقع پر

تحریکِ پاکستان میں نازک ترین وقت وہ تھا جب خان عبدالغفار خان کی کوششوں سے یہ بات منوائی گئی کہ (سابق) صوبہ سرحد میں ریفرنڈم کرایا جائے کہ وہاں کے مسلمان پاکستان کی مملکت میں شامل ہونا چاہتے ہیں یا ہندوستان کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں۔ ذرا سوچئے کہ اگر اس وقت اسی پروپیگنڈے کی بناء پر منوالیا جاتا کہ وہ علاقہ ہندوستان میں شامل ہوگا تو پاکستان کی شکل کیا ہوتی۔ جماعت اسلامی کے خلاف یہ بھی الزام تھا کہ انہوں نے ایسے نازک وقت میں بھی مسلم لیگ کا ساتھ نہ دیا۔ اس کے جواب میں مودودی صاحب ہمیشہ یہ کہتے رہے کہ یہ غلط ہے۔ ہماری جماعت نے فیصلہ کیا تھا کہ پاکستان کے حق میں پروپیگنڈہ کیا جائے۔ چنانچہ ہماری جماعت کے ورکر وہاں یہ کچھ کرتے رہے تھے۔ یہ بالکل سفید جھوٹ ہے۔ اس سوال کے جواب میں کہ صوبہ سرحد کے ریفرنڈم میں جماعت کے ارکان کس کے حق میں ووٹ دیں۔ مودودی صاحب نے لکھا تھا۔

"رہا یہ سوال کہ کس چیز کے حق میں رائے دیں تو اس معاملے میں جماعت کی طرف سے کوئی پابندی نہیں عائد کی جا سکتی۔ کیونکہ جماعت اپنے ارکان کو صرف ان امور میں پابند کرتی ہے جو تحریکِ اسلامی کے

اصول اور مقصد سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور یہ معاملہ نہ اصولی ہے نہ مقصدی۔ اس لئے ارکانِ جماعت کو اختیار ہے کہ وہ اپنی صواب دید کے مطابق جو رائے چاہیں دے دیں۔"

(بحوالہ مولانا مودودی۔ دعاوی اور عمل۔ صـ۵)

یہی نہیں ہندوستان میں ۱۹۴۵ء میں صوبائی اور مرکزی اسمبلیوں کے وہ انتخابات ہوئے جن کے نتائج پر یہ فیصلہ ہونا تھا کہ برطانیہ اپنا اقتدار ہندوؤں کو سونپ جائے یا ملک کی تقسیم ہو جائے۔ لہٰذا یہ انتخابات جس اہمیت کے حامل تھے اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اس کے متعلق مودودی صاحب سے خاص طور پر پوچھا گیا تو اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ

"ووٹ اور الیکشن کے معاملہ میں ہماری پوزیشن صاف صاف ذہن نشین کر لیجئے۔ پیش آمدہ انتخابات یا آئندہ آنے والے انتخابات کی اہمیت جو کچھ بھی ہو اور ان کا جیسا کچھ بھی اثر ہماری قوم یا ملک پر پڑتا ہو۔ بہرحال ایک با اصول جماعت ہونے کی حیثیت سے ہمارے لئے یہ ناممکن ہے کہ کسی وقتی مصلحت کی بنا پر ہم ان اصولوں کی قربانی گوارا کر لیں جن پر ہم ایمان لائے ہیں۔"

(کوثر۔ ۲۰۔ اکتوبر ۱۹۴۵ء۔ بحوالہ مولانا مودودی۔ دعاوی اور عمل صـ۵)

اعترافِ حقیقت پر مجبور یہ ہیں وہ مودودی صاحب جو آج دھڑلے سے کہتے ہیں کہ یہ کہنا کہ میں نے تحریکِ پاکستان کی مخالفت کی تھی کھلا ہوا جھوٹ اور بے بنیاد الزام۔ اور میرے خلاف سیاسی پروپیگنڈہ ہے۔ پہلے تو وہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ پاکستان بنانے میں ہمارا بہت بڑا ہاتھ تھا (ملاحظہ ہو ترجمان القرآن بابت اکتوبر ۱۹۵۰ء) لیکن طلوعِ اسلام کی طرف سے مسلسل حقیقت کشائی نے انہیں کم از کم اتنا تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا کہ

"ہم اس بات کا کھلے بندوں اعتراف کرتے ہیں کہ تقسیمِ ملک کی جنگ سے ہم غیر متعلق رہے ہیں۔ اس کارکردگی کا سہرا ہم صرف مسلم لیگ کے سر باندھتے ہیں۔ اور اس میدان میں کسی حصے کا اپنے آپ کو دعویدار نہیں سمجھتے۔" (ترجمان القرآن نومبر ۱۹۶۳ء صـ۶۹)

یہ بھی فریبِ محض ہے لیکن جیسا کہ آپ نے اوپر کے اقتباسات سے دیکھ لیا ہوگا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ "تقسیمِ ملک کی جنگ سے جماعت اسلامی غیر متعلق رہی ہے" یہ جماعت غیر متعلق نہیں رہی۔ بلکہ اس نے اس جنگ میں شروع سے آخر تک مسلمانوں کی مخالفت کی۔ حتیٰ کہ جب پاکستان آنکھوں کے سامنے نظر آنے لگ گیا تو اس وقت بھی یہ چیخے "پکارتے رہے کہ یہ کیا قیامت برپا ہونے لگی ہے۔ حتیٰ کہ انہوں نے ترجمان القرآن کے آخری شمارہ میں جو جون ۱۹۴۷ء میں غیر منقسم ہندوستان سے شائع ہوا تھا لکھا

"میں آپ لوگوں سے اکثر کہتا رہا ہوں کہ اسلامی انقلاب پیدا کرنے کا جتنا امکان مسلم اکثریت کے علاقوں میں ہے قریب قریب اتنا ہی امکان غیر مسلم اکثریت کے علاقوں میں بھی ہے۔ میری اس بات کو بہت سے لوگ ایک غرقِ تخیل آدمی کا خواب سمجھتے ہیں۔ اور بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ غالباً یہ تصوف کا کوئی نقطہ ہے جو ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔"

(بحوالہ جماعت اسلامی پر ایک نظر۔ ص ۱۲)

اس سے اتنا مترشح ہو رہا تھا کہ غیر منقسم ہندوستان میں تو یہ مصیبت مسلمانوں کے گلے پڑی رہی لیکن اب پاکستان میں اس سے نجات مل جائے گی کیونکہ مودودی صاحب خود اپنے ارشاد کے مطابق غیر مسلم اکثریت کے علاقوں میں اسلامی انقلاب پیدا کرنے کے لئے ہندوستان میں رہیں گے۔ لیکن قوم کی بدقسمتی کہ وہ اپنے لاؤ لشکر سمیت اولیں قافلوں میں پاکستان پہنچ گئے۔ اور یہاں آنے کے بعد پھر اپنی انہی مذموم کوششوں میں مصروف ہو گئے۔

پاکستان بننے کے بعد

ہندوستان میں ترجمان القرآن کا جو آخری پرچہ شائع ہوا تھا اس میں مودودی صاحب نے جو کچھ لکھا تھا وہ ہمارے سامنے آ گیا۔ پاکستان بننے کے بعد ان کا پہلا پرچہ جون ۱۹۴۸ء میں شائع ہوا جس میں انہوں نے تحریک پاکستان اور ان کے قائدین کے خلاف اس قدر زہر اگلا جسے پڑھ کر آج بھی خون کھولنے لگ جاتا ہے۔ انہوں نے مسلم لیگی قیادت کی بے شمار غلطیاں گناتے ہوئے علاوہ اور باتوں کے، یہ بھی کہا کہ۔

"اس نے حصولِ پاکستان کی جنگ میں ان علاقوں کے مسلمانوں کو شریک کیا جنہیں لامحالہ ہندوستان ہی میں رہنا تھا۔ آج یہ اسی کا خمیازہ ہے کہ ہندوستان کی سرزمین ان غریبوں کے لئے جہنم بن گئی ہے۔ حالانکہ اگر تقسیم کے بعد ہندوستانی اور پاکستانی مسلمانوں کا مستقبل ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہو جانے والا تھا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ تقسیم سے پہلے دونوں کی پالیسی ایک ہوتی۔"

(ترجمان القرآن جون ۱۹۴۸ء ص ۲)

مخالفت کی انتہا

اور پھر یہ بھی کہ

"پچھلے دس سال کی قومی تحریک میں اسلام کا نام جس قدر لیا گیا اس کا ہزارواں حصہ بھی مسلمانوں کے اندر اسلامی اخلاق پیدا کرنے کے لئے کام نہیں کیا گیا۔ بلکہ ان کے قومی اخلاق کو پہلے سے کچھ زیادہ ہی پست کر دیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ قومی جنگ میں مسلمان ان تمام اخلاقی جرائم کے مرتکب ہوئے جن کا ارتکاب ان کے حریفوں نے کیا۔ مظالم کی مقدار میں چاہے کتنا ہی فرق

رہا ہو مگر مظالم کی نوعیت میں دونوں کے کارنامے ایک دوسرے سے کچھ مختلف نہ تھے۔ اگر ہماری قومی قیادت نے ہمارے عوام کی اخلاقی تربیت کے لئے کوئی کوشش کی ہوتی اور اکثریت کے علاقوں کے مسلمان وہ حرکات نہ کرتے جو انہوں نے کیں تو اقلیت کے مسلمان اس بری طرح نہ پھنس جاتے اور آج پاکستان کی اخلاقی پوزیشن ہندوستان سے اتنی زیادہ اونچی ہوتی کہ ہندوستان اس سے آنکھ ملا کر بات نہ کر سکتا۔" (ایضاً)

اور اسی پرچہ کے اشارات میں لکھا کہ

یہ بحث ان سب لوگوں کا منہ کالا کر دینے والی ہے۔ جنہوں نے پچھلے ربع صدی میں ہماری سیاسی تحریکوں کی قیادت فرمائی ہے۔" (ایضاً صفحہ)

پھر انہوں نے جولائی ۱۹۴۸ء کے پرچے میں لکھا کہ

"یہ تھیں وہ بنیادیں جن پر ہماری یہ قومی تحریک اول روز سے اٹھی اور آخر تک بڑھتی چلی گئی۔ اس کے اجزائے ترکیبی میں مومن اور منافق اور کھلے کھلے ملحد سب شامل تھے۔ بلکہ دین میں جو جتنا ہلکا تھا وہ اتنا ہی اوپر آیا۔ اس میں اخلاق کی سرے سے کوئی پوچھ نہ تھی۔ عام کارکنوں سے لیکر بڑے سے بڑے ذمہ دار لیڈروں تک میں انتہائی ناقابل اعتماد سیرت کے لوگ موجود تھے۔ بلکہ تحریک کا قدم جتنا آگے بڑھا اس قسم کے عناصر کا تناسب بڑھتا ہی چلا گیا۔ اس میں اسلام کو اتباع کے لئے نہیں بلکہ صرف عوام میں مذہبی جوش پیدا کرنے کے لئے فریق جنگ بنایا گیا تھا۔ کبھی ایک دن کے لئے بھی اس کو یہ حیثیت نہیں دی گئی کہ وہ حکم دے اور یہ اسے مانیں۔ اور کوئی قدم اٹھانے وقت یہ اس سے استصواب کریں۔

پھر چونکہ مقابلہ ہندو سے تھا اس لئے یہ بھی ضروری تھا کہ اس کے ہر حربے کا جواب ویسے ہی حربے سے، ہر چوٹ کا جواب ویسی ہی چوٹ سے، اور ہر چال کا جواب ویسی ہی چال سے دیا جائے۔ جن جن پستیوں میں وہ گرا مسلمان بھی اس کی ضد میں گرے۔ اور جو جو کچھ وہ اپنی قومی خودغرضیوں کی خاطر کرتا گیا، مسلمانوں نے اس دلیل پر کہ اس کا ارتکاب کیا کہ ہندو ایسا کر رہا ہے۔ اس مقابلہ و مسابقت نے مسلمانوں کی عام اخلاقی سطح اتنی گرا دی کہ شاید اس سے پہلے وہ کبھی اخلاقی حیثیت سے اتنے نہ گرے تھے۔"

(ترجمان القرآن شمارہ جولائی ۱۹۴۸ء صفحہ ۶)

اور اگست ۱۹۴۸ء کے اشارات میں فرمایا۔

"ان پورے گروہ میں سے ایک کو مکن بھی نہ نکلا جو بازی کھو دینے کے بعد مر دے سکتا۔ ساری جماعت بازی گروں سے پٹی پڑی تھی جنہوں نے عجیب عجیب قلابازیاں کھا کر دنیا کو اپنی بودی سیرت اور کھوکھلے اخلاق کا تماشا دکھایا۔ اور اس قوم کی رہی سہی عزت بھی خاک میں ملا دی۔ جس کے وہ نمائندے بنے ہوئے تھے۔" (ترجمان القرآن اگست ۱۹۴۳ء صفحہ ۳)

مودودی صاحب کی ان زہرفشانیوں کو دیکھتے وقت یہ بھی ذہن میں رکھیئے کہ پاکستان اس زمانے میں کس نازک دور سے گزر رہا تھا۔ اس وقت اس کے بچنے کی ایک ہی صورت تھی کہ

ایسے نازک وقت میں

ملک کے اندر کسی قسم کا انتشار نہ پیدا ہو اور مسلمانوں کے دل میں یہ احساس ایمان کی حد تک پہنچ جائے کہ اس خطۂ زمین کا مل جانا خدا کی بڑی رحمت ہے۔ اور جس قیادت نے اس کے حاصل کرنے میں اتنا کام کیا ہے اس کا مسلمانوں پر بڑا احسان ہے۔ ضرورت اس یقین کے پیدا کرنے کی تھی۔ لیکن مودودی صاحب مسلسل اور متواتر اس خطۂ زمین اور اس کے حاصل کرنے والی قیادت کے خلاف زہرافشانیوں میں مصروف تھے۔ مودودی صاحب کو ان کی ان حرکات کی وجہ سے نظربند کر دیا گیا۔ لیکن اس کے بعد بھی اس جماعت کی طرف سے اس مخالفت کا سلسلہ بدستور جاری رہا۔ چنانچہ ان کی نظربندی کے بعد ترجمان القرآن کا پہلا پرچہ جسے نعیم صدیقی صاحب نے ترتیب دیکر جون۔ جولائی ۱۹۴۹ء میں شائع کیا اس کے ارشادات کے بیشتر حصے کو پریس نے چھاپنے سے انکار کر دیا لیکن اس کے باوجود جو سطور اس میں چھاپی گئیں ان میں بھی یہ الفاظ ملتے ہیں۔

"چنانچہ انڈیا اور پاکستان کے لاکھوں عوام کی زندگیوں سے سیاست کا جوا کھیلنے والے جو کھلاڑی دونوں ملکوں کے ایوان ہائے اقتدار کی مسندوں پر قابض ہیں ان کو اور جس لحاظ سے بھی جانچا گیا ہو ان کا اخلاقی معائنہ بہرحال کبھی نہیں کیا گیا --- یہ ایک تاریخی تجربہ ہے کہ ۱۹۴۷ء کے بعد بھی زندگی کی امانت انہی لوگوں کے قبضہ میں رہی جو اپنے اخلاقی افلاس اور اپنے ضمیر کے دیوالیہ پن کا پورا پورا ثبوت بہم پہنچا چکے ہیں۔"

اس کے بعد انہوں نے چند ایک ایسی خرابیوں کا ذکر کیا جو کانگریس اور مسلم لیگ دونوں قیادتوں میں پائی جاتی تھیں۔ اس کے بعد پھر مسلم لیگ قیادت کی طرف توجہ فرمائی گئی اور کہا گیا کہ

مسلم لیگ قیادت

انڈیا کی قیادت کرنے والی ٹیم جن افراد پر مشتمل ہے ان کے پاس اور کچھ نہیں تو کم سے کم کچھ "خدمات" اور قربانیاں ضرور ہیں اگرچہ ان خدمات اور قربانیوں کے باوجود موجودہ وزارت اور قیادت کے خلاف نفرت کا کھلا کھلا اظہار ہونے لگا ہے اور کلکتے کے

سلہ ان مضامین کا مجموعہ "ماضی قریب کا جائزہ" نامی پمفلٹ میں جماعت اسلامی کراچی کی طرف سے شائع کیا گیا تھا۔

حالیہ انتخابات تو نہرو گورنمنٹ کے خلاف عدم اعتماد کا نہایت تلخ مظاہرہ ہیں۔ لیکن پاکستان کی سرکاری کے لئے جو ٹیم تقدیر الٰہی کی طرف سے نامزد ہوئی ہے اس کے افراد پر زمانہ اتنا مہربان رہا ہے کہ وہ ایک جنے کی قربانی دئے بغیر، ایک دن جیل میں گزارے بغیر، اپنی عادات میں کسی قسم کا تغیر و تبدل کئے بغیر سیدھے صوفوں سے اٹھ کر قالینوں پر قدم رکھتے ہوئے اقتدار کی مسندوں پر براجمان ہو گئے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو محض اپنی جاگیرداریوں، اپنی ملازمتوں، اپنے کاروبار اور اپنی وکالتوں کے زور سے لیڈر بنے ہیں۔ اور ان کو علم، اخلاق اور سیاسی خدمات میں امتیازی مقام حاصل کرنے کی ضرورت کبھی پیش نہیں آئی۔

اب ایسے لوگوں کو اگر ایک قوم کے سپید و سیاہ کا مالک بنا دیا جائے تو وہ اس کے سوا آخر اور کریں گے کیا کہ انہیں اپنی اغراض کو پورا کرنے کے لئے جو مواقع مل سکیں ان سے فائدہ اٹھائیں۔ قانون اور اختیار سے جو خدمت لی جا سکے وہ لیں۔ عیش و راحت کے زیادہ سے زیادہ ذرائع پر قبضہ کر لیں۔ ٹھاٹھ باٹھ اور استکبار کے مظاہرے قوم اور ریاست کے خزانے پر زیادہ سے زیادہ بار ڈالیں۔ اس کے سوا آخر اور کسی چیز کی توقع ان حضرات سے کس بنا پر کی جا سکتی ہے۔

(ترجمان القرآن۔ جون۔ جولائی ۱۹۴۹ء صفحہ ۴۳)

اس کے بعد وہ لکھتے ہیں۔

آبرو باختہ قیادت

پھر یہ عین وہی لوگ ہیں جو اپنی پوری سیاسی تحریک میں اپنی غلط سے غلط سرگرمیوں میں اسلام کو ساتھ ساتھ گھسیٹتے پھرے ہیں انہوں نے قرآن کی آیتوں اور حدیث کی روایتوں کو اپنی قوم پرستانہ کشمکش کے ہر مرحلے میں استعمال کیا ہے، انہوں نے پاکستان کے معنی ہمیشہ لا الہ الا اللہ بیان کئے ہیں۔ لیکن افسوس کہ ان کی محبت اسلام کے، ان کی خدا پرستی کے، ان کی حب رسالت کے، ان کی قرآن دوستی کے، اور ان کی لا الہ دانی کے جو عملی مناظر پاکستان کی تیئس ماہ کی تاریخ کے عجائب خانے میں آویزاں ملتے ہیں۔ ان کو دیکھ کر ہر حساس مسلمان کی گردن شرم سے جھکی جاتی ہے۔

کسی ملک و قوم کی انتہائی بدقسمتی یہی ہو سکتی ہے کہ نااہل اور اخلاق باختہ قیادت، اس کے اقتدار پر قابض ہو جائے۔ ایک سفینۂ حیات کو غرق کرنے کے لئے طوفان کی موجیں وہ کام نہیں کر سکتیں جو اس کے خیانت کار ملاح کر سکتے ہیں۔ کسی قلعہ کی دیواروں کو دشمن کے گولے اس آسانی سے نہیں چھید سکتے جس آسانی سے اس کے فرض ناشناس سنتری اس کی تباہی کا سامان کر

سکتے ہیں۔ بالکل اسی طرح ایک ملت کے لئے بیرونی خطرے اتنے مہلک نہیں ہوتے جتنا کہ نااہل قیادت کا داخلی خطرہ مہلک ہوتا ہے۔ پھر اگر حالات معمولی نہ ہوں بلکہ ایک قوم کی تعمیر کا آغاز ہو رہا ہو اور یہ آغاز بھی نہایت ناسازگار حالات کے درمیان ہو رہا ہو، ایسے حالات میں کسی غیر صالح قیادت کو ایک منٹ کے لئے بھی گوارا کرنا خلاف مصلحت ہے۔ ایک غلط قیادت کی بقا کے لئے کسی طرح کی کوشش کرنا ملک و قوم کے ساتھ سب سے بڑی غداری اور غلط قیادت سے نجات دلانے کی فکر کرنا اس کی سب سے بڑی خیرخواہی ہے۔ (ایضاً ملا)

واضح رہے کہ یہ "اشارات" جون-جولائی سنہ ۱۹۴۹ء میں لکھے گئے تھے۔ تشکیلِ پاکستان کے بعد اسوقت تک یہ قیادت، خود قائداعظمؒ، نوابزادہ لیاقت علی خانؒ (مرحوم) اور خواجہ ناظم الدین کے ہاتھوں میں رہی تھی۔ یہ سب کچھ انہی حضرات کے متعلق ارشاد ہو رہا ہے۔ ازاں بعد، انہوں نے خود مودودی صاحب کی ایک تقریر کا اقتباس درج کیا ہے جو انہوں نے سنہ ۱۹۴۵ء میں کی تھی اور جس وقت قیادت، قائداعظمؒ کے ہاتھ میں تھی اس میں انہوں نے کہا تھا۔

دہریوں اور کافروں کی قیادت

"ہمارا اپنے آپ کو بندگیٔ رب کے حوالے کر دینا اور اس حوالگی و سپردگی میں ہمارا منافق نہ ہونا بلکہ مخلص ہونا اور پھر ہمارا زندگی کو تناقضات سے پاک کر کے مسلم حنیف بننے کی کوشش کرنا لازمی طور پر اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ہم اس نظامِ زندگی میں انقلاب چاہیں جو آج کفر، دہریت، شرک، فسق و فجور، اور بداخلاقی کی بنیادوں پر چل رہا ہے۔ اور جس کے نقشے بنانے والے مفکرین، اور جس کا عملی انتظام کرنے والے مدبرین سب کے سب خدا سے پھرے ہوئے اور اس کی شرائع کی قیود سے نکلے ہوئے لوگ ہیں۔ جب تک زمام کار ان لوگوں کے ہاتھ میں رہے گی اور جب تک علوم و فنون، آرٹ و ادب، تعلیم و تدریس، نشر و اشاعت، قانون سازی، اور تنفیذ قانون، مالیات، صنعت و حرفت، تجارت، انتظام ملکی اور تعلقات بین الاقوامی۔ ہر چیز کی باگ ڈور یہ لوگ سنبھالے ہوئے رہیں گے، کسی شخص کے لئے دنیا میں مسلمان کی حیثیت سے زندگی بسر کرنا اور خدا کی بندگی کو اپنا ضابطۂ حیات بنا کر رہنا نہ صرف عملاً محال ہے بلکہ اپنی آیندہ نسلوں کو اعتقاداً بھی اسلام کا پیرو چھوڑ جانا ناممکن ہے ــــ فساق اور فجار اور خدا کے باغی اور شیطان کے مطیع، دنیا کے امام اور پیشوا رہیں اور پھر دنیا میں ظلم و فساد، بداخلاقی اور گمراہی کا دور دورہ نہ ہو۔ یہ عقل اور فطرت کے خلاف ہے۔ اور آج تجربے و مشاہدے سے کالشمس فی النہار ثابت ہو چکا ہے۔

کہ ایسا ہونا ناممکن ہے۔ پس ہمارا مسلم ہونا خود اس بات کا متقاضی ہے کہ ہم دنیا سے ائمہ ضلالت کی پیشوائی ختم کر دیں اور غلبۂ کفر و شرک کو مٹا کر دینِ حق کو اس کی جگہ قائم کرنے کی سعی کریں۔

(ایضاً ص۸۰)

قائد اعظمؒ کے متعلق مودودی صاحب نے یہاں تک بھی کہہ دیا تھا کہ وہ محض انگریز اور کانگریس کی کشمکش سے فائدہ اٹھاتے رہے۔ ان کے اپنے الفاظ سنئے۔

قائد اعظمؒ کے خلاف

دس سال سے مسلمانوں کی قیادتِ عظمیٰ جس لائحہ عمل پر چل رہی تھی وہ سلطان عبدالحمید خاں کی سیاست سے ملتا جلتا تھا جس طرح وہ ۳۳ سال تک محض دولِ یورپ کی باہمی رقابتوں سے فائدہ اٹھا کر جیتے رہے اور اس دوران میں خود ترکی کی کوئی طاقت انہوں نے نہ بنائی جس کے بل بوتے پر وہ جی سکتا۔ اسی طرح اس قیادت کا بھی سارا سیاسی کھیل بس انگریز اور کانگریس کی کشمکش سے فائدہ اٹھانے تک محدود تھا۔ پچھلے دس سال میں اس نے خود اپنی قوم کی اخلاقی، مادی اور تنظیمی طاقت بنانے اور اس کے اندر قابلِ اعتماد سیرت پیدا کرنے کی کوئی کوشش نہ کی جس کی بنا پر وہ اپنے کسی مطالبہ کو خود اپنی طاقت سے منوا سکتی۔ اس کا نتیجہ تھا کہ جونہی انگریز اور کانگریس کی باہمی کشمکش ختم ہوئی، اس قیادتِ عظمیٰ نے اپنے آپ کو ایسی حالت میں پایا جیسے اس کے پاؤں تلے زمین نہ ہو۔ اب وہ مجبور ہو گئی کہ جو کچھ جن شرائط پر بھی ملے اسے غنیمت سمجھ کر قبول کر لے۔ بنگال و پنجاب کی تقسیم اسے بے چون و چرا ماننی پڑی سرحدوں کی تعیین جیسے نازک مسئلے کو اسے صرف ایک شخص کے فیصلے پر چھوڑ دینا پڑا، انتقالِ اختیارات کے لئے جو وقت اور جو طریقہ تجویز کر دیا گیا اسے بھی بلا تامل اس نے مان لیا حالانکہ یہ تینوں امور صریح طور پر مسلمانوں کے حق میں مہلک تھے۔ انہی کی وجہ سے ایک کروڑ مسلمانوں پر تباہی نازل ہوئی اور انہی کی وجہ سے پاکستان کی عمارت اول روز ہی سے متزلزل بنیادوں پر اٹھی۔ (ترجمان القرآن جون ۱۹۴۸ء صفحہ ۱۳۵-۱۳۶)

——— اتنا ذہن نشین رہے کہ مودودی صاحب، قائد اعظمؒ کے خلاف یہ کچھ اس زمانے میں کہہ رہے تھے جب وہ اپنی زندگی اور موت کی کشمکش میں گرفتار تھے اور پاکستان چاروں طرف سے اغیار کے نرغے میں گھرا ہوا تھا۔

مرنے کے بعد بھی

لیکن قائد اعظمؒ کے خلاف مودودی کی آتشِ انتقام ان کی زندگی میں انہیں گالیاں دینے سے ٹھنڈی نہیں ہوتی تھی۔ وہ اس تصور کو بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ ان کی (قائد اعظمؒ) کی وفات کے بعد، لوگ انہیں نیک دعاؤں سے یاد کریں۔ چنانچہ جب انہوں نے یہ کہا کہ قائد اعظمؒ جس قسم کی حکومت قائم کریں گے، وہ

"مسلمانوں کی کافرانہ حکومت (ہوگی جو) اسلامی نقطۂ نظر سے غیر مسلموں کی کافرانہ حکومت کے مقابلہ میں کچھ بھی قابلِ ترجیح نہیں (ہوگی)۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ قابلِ لعنت ہوگی"

(ترجمان القرآن - محرم سنہ ۱۳۶۰ھ صفحہ ۲۸)

تو اس کے بعد یہاں تک بھی کہہ دیا کہ

"اس قسم کے لوگوں کے ہاتھ میں اقتدار آنے کے معنی یہ ہیں کہ ہم اسی مقام پر کھڑے ہیں جس مقام پر غیر مسلم حکومت میں تھے۔ بلکہ اس سے بھی بدتر مقام پر۔ کیونکہ وہ "قومی حکومت" جس پر اسلام کا نمائشی لیبل ہوگا، اسلامی انقلاب کا راستہ روکنے میں اس سے بھی زیادہ جری و بے باک ہوگی جتنی غیر مسلم حکومت ہوتی ہے۔ غیر مسلم حکومت جن کاموں پر قید کی سزا دیتی ہے وہ "مسلم قومی حکومت" ان کی سزا پھانسی اور جلاوطنی کی صورت میں دیگی۔ اور پھر بھی اس حکومت کے لیڈر جیتے جی غازی اور مرنے پر رحمت اللہ علیہ ہی رہیں گے۔ پس یہ سمجھنا قطعاً غلط ہے کہ اس قسم کی "قومی حکومت" کسی معنی میں بھی اسلامی انقلاب لانے میں مددگار ہو سکتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر ہم کو اس حکومت میں بھی اجتماعی زندگی کی بنیادیں بدلنے ہی کی کوشش کرنی پڑے گی اور اگر یہی کام حکومت کی مدد کے بغیر، بلکہ اس کی مزاحمت کے باوجود اپنی قربانیوں ہی سے کرنا ہوگا، تو ہم آج ہی سے یہ راہ عمل کیوں نہ اختیار کریں؟ اس نام نہاد "مسلم حکومت" کے انتظار میں اپنا وقت یا اس کے قیام کی کوشش میں اپنی قوت ضائع کرنے کی حماقت کیوں کریں جس کے متعلق ہمیں یہ معلوم ہے کہ وہ ہمارے مقصد کے لئے نہ صرف غیر مفید ہوگی بلکہ کچھ زیادہ ہی سد راہ ثابت ہوگی؟"　(ترجمان القرآن - محرم سنہ ۱۳۶۰ھ صفحہ ۶۱)

علیہ الرحمۃ مت کہو

آپ نے غور فرمایا کہ مودودی صاحب اتنا بھی برداشت نہیں کر سکتے کہ قائداعظمؒ کی وفات کے بعد لوگ انہیں علیہ الرحمۃ کی دعا سے یاد کریں۔ کیا بغض و عداوت کی اس سے بڑھ کر کوئی مثال آپ کے ذہن میں آسکتی ہے؟

کھلی ہوئی بغاوت

حلف وفاداری کے خلاف

مودودی صاحب اور ان کی جماعت مملکتِ پاکستان کی نظری طور پر ہی مخالفت نہیں کرتی تھی بلکہ وہ ایسے اقدامات سے بھی نہیں چوکی جنہیں ایک مملکت کے خلاف کھلی ہوئی بغاوت کہنا چاہیئے۔ اس سلسلے میں ہم دو ایک واقعات کو سرِدست

سامنے لانا چاہتے ہیں۔ تشکیل مملکت کے بعد مغربی پنجاب کی حکومت نے اپنے ملازمین سے کہا کہ وہ حکومت پاکستان کی وفاداری کا حلف لیں۔ بعض سرکاری ملازمین نے جو جماعت اسلامی سے وابستہ تھے۔ امیر جماعت سے استصواب کیا اور انہوں نے یہ رائے دی کہ یہ حلف اس وقت تک ناجائز ہے۔ جب تک یہ نظام حکومت پورے طور پر اسلامی نہ ہو جائے۔ چنانچہ بعض سرکاری ملازموں نے اس مشورے کے مطابق حلف لینے سے انکار کر دیا اور ان کے خلاف محکمانہ کارروائی ہوئی۔ مثلاً "نوائے وقت" کی ۲ ستمبر ۱۹۴۸ء کی اشاعت میں یہ خبر شائع ہوئی کہ

"سول سیکریٹریٹ کے ایک اسسٹنٹ کو اس بنا پر معطل کر دیا گیا ہے کہ اس نے حکومت پاکستان سے وفاداری کا حلف اٹھانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں اس صورت میں پاکستان کا وفادار رہ سکتا ہوں جس صورت میں اس کا نظام حکومت شرعی ہو۔

(بحوالہ جماعت اسلامی پر ایک نظر ص۴۲)

ذرا سوچئے کہ اگر اس وقت مودودی صاحب کی اس چنگاری سے سلگائی ہوئی آگ زیادہ پھیل جاتی تو اس مملکت کا حشر کیا ہوتا۔ اس حلف وفاداری کے خلاف مودودی صاحب نے ترجمان القرآن بابت جون ۱۹۴۸ء میں لکھا تھا)۔

فوجی بھرتی کے خلاف

معاملہ یہیں تک ختم نہیں ہوتا۔ اس جماعت نے پاکستان کی فوج کو برگشتہ کرنے میں بھی کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ اپریل ۱۹۴۸ء کا ذکر ہے کہ (اخبارات میں شائع شدہ خبروں کے مطابق) جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ نے جماعت کے ارکان کے فوج میں بھرتی ہونے کے متعلق کوئی فیصلہ کیا جس کی روشنی میں اس جماعت کے قیم (سکریٹری) نے چند ماہ بعد ایک خط کے جواب میں لکھا کہ

موجودہ حکومت پاکستان غیر اسلامی ہے۔ اس لئے ہم مسلمانوں کو اس کی فوج یا دیگر دفاعی اداروں میں بھرتی ہونے کا مشورہ نہیں دے سکتے۔

(نوائے وقت - ۳۱ - اکتوبر ۱۹۴۸ء۔ بحوالہ جماعت اسلامی پر ایک نظر ص۵۵)

جب اس مملکت میں شور اٹھا تو جماعت اسلامی کے قائم مقام امیر نے کہا کہ یہ احکام ارکان جماعت کے لئے ہیں:-

"ارکان جماعت کے لئے ہماری ہدایت یہ ہے کہ وہ اپنی توجہات کو اصلاً اقامت دین کی جدوجہد پر مرتکز رکھتے ہوئے دفاع کے مختلف کاموں کی تربیت حاصل کرنے میں پورا پورا حصہ لیں۔

علاوہ دفاع کی ضرورت پیش آجانے پر ارکان کو بھی بہرحال فوج کے اندر شامل ہو کر ہی فرض ادا کرنا ہوگا۔ لیکن فوج میں تنخواہ دار ملازم کی حیثیت سے ان کو شمولیت کا مشورہ ہم صرف اس صورت میں دے سکتے ہیں جب کہ حکومت ریاست اور فوج کے اسلامی ہونے کا دستوری اعلان کر دے

گومگو کی موجودہ حالت کو ختم کرے۔ (بحوالہ "جماعت اسلامی پر ایک نظر"۔ ص۵۵)

کیا کسی حکومت کے خلاف بغاوت کی اس سے بڑھ کر بھی کوئی مثال ہو سکتی ہے؟

مسئلۂ کشمیر

اس وقت وہ اہم سوال، جس نے تمام قوم کی توجہ کو جماعتِ اسلامی کی طرف، از سرِ نو مرکوز کر دیا ہے مسئلہ کشمیر ہے۔ پچھلے دنوں حکومتِ پاکستان کے وزیر امورِ داخلہ نے اپنے ایک بیان میں منجملہ دیگر امور یہ بھی کہا کہ مودودی صاحب نے جہادِ کشمیر کے متعلق فتویٰ دیا تھا۔ اس پر مودودی صاحب نے حسبِ معمول اعلان کر دیا کہ یہ غلط ہے۔ میرے خلاف جھوٹا پروپیگنڈہ ہے۔ میں نے اس قسم کا کوئی فتویٰ نہیں دیا تھا۔ اس پر جن لوگوں کا حافظہ کمزور نہیں تھا وہ حیران تھے کہ یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے۔ کشمیر کا مسئلہ کوئی صدیوں پرانا نہیں۔ یہ ۱۹۴۸ء کی بات ہے۔ اس پر سیاسی اخبارات میں خاصہ ہنگامہ ہوا تھا۔ مہینوں گلی کوچوں میں اس کا چرچا رہا تھا۔ حتیٰ کہ اس جرم کی پاداش میں مودودی صاحب کو نظر بند بھی کر لیا گیا تھا۔ اب مودودی صاحب اس سے صاف مکر رہے ہیں! آیئے ہم دیکھیں کہ بات کیا ہوئی تھی۔

اس قضیہ کی تفصیل

مئی ۱۹۴۸ء میں مودودی صاحب پشاور گئے۔ وہاں ان دنوں جہادِ کشمیر کا بڑا چرچا تھا۔ قبائلی مجاہد پشاور سے گزر کر کشمیر کے مختلف مقامات کو جا رہے تھے، وہاں مودودی صاحب سے، ایک صاحب نے جہادِ کشمیر کے متعلق دریافت کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ جب تک حکومت پاکستان اور حکومت ہند کے درمیان معاہدانہ تعلقات ہیں اس وقت تک مسلمانانِ پاکستان کے لئے اس میں حصہ لینا جائز نہیں۔

جب ان کی یہ رائے باہر آئی تو اخبارات میں اس پر ہنگامہ مچ گیا۔ بعض لوگوں نے اس پر سخت نکتہ چینی کی۔ اس سے مجبور ہو کر مودودی صاحب نے ترجمان القرآن کی جون ۱۹۴۸ء کی اشاعت میں ایک مستفسر کے سوال کے جواب میں طویل مقالہ لکھا اور اس میں اپنی اس رائے کے جواز میں آیاتِ قرآنی کی رُو سے بحث کی۔ سوال کا پہلا حصہ یہ تھا۔

سوال

پچھلے دنوں یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ آپ نے پشاور میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ کشمیر میں جو جنگ ہو رہی ہے یہ جہاد نہیں ہے۔ اور یہ کہ جب تک حکومت پاکستان باقاعدہ جہاد کا اعلان نہ کرے اس وقت تک یہ جنگ جہاد کی تعریف میں نہیں آ سکتی۔ پھر قیم جماعت کی طرف سے اس کی جو تردید شائع ہوئی

اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے اپنی تقریر میں کشمیر کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا بلکہ کسی صحبت میں ایک کشمیری بزرگ کے استفسار پر آپ نے کہا تھا کہ اہلِ کشمیر اپنی جان و مال اور آبرو کی حفاظت کے لئے جو جنگ کر رہے ہیں وہ بجائے خود تو جہاد کے حکم میں ہے مگر پاکستان کے باشندوں کے لئے اس میں حصہ لینا اس وقت تک جائز نہیں۔ جب تک ان کی نمائندہ حکومت اور حکومت ہند کے درمیان معاہدانہ تعلقات قائم ہیں۔ اس تردید سے کسی حد تک آپ کی پوزیشن واضح تو ہو گئی ہے لیکن افسوس ہے کہ اس سے میری اور مجھ جیسے بہت سے لوگوں کی تسلی نہیں ہوئی"

(ترجمان القرآن جون ۱۹۴۸ء صفحہ ۱۹۱)

اس کے جواب میں مولانا نے پہلے تو اپنا یہ مسلک واضح کیا کہ میں خدا اور رسولؐ کے فیصلہ کے مقابلہ میں کسی کی پرواہ نہیں کرتا۔ ان کے الفاظ یہ ہیں۔

جواب بلاشبہ میں اپنی قوم سے محبت رکھتا ہوں اور میرے دل میں ان کی خیر خواہی کا جذبہ ان کے کسی بڑے سے بڑے خیر خواہ سے کم نہیں ہے۔ لیکن میں ان کی بھلائی اسی میں پاتا ہوں کہ وہ اپنی خواہشات کی پیروی کے بجائے خدا اور رسول کے بتائے ہوئے طریقہ کی پیروی کریں۔ اور میرے نزدیک اس سے بڑھ کر مسلمانوں کے ساتھ خیانت اور بدخواہی اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ آدمی حق گوئی کے بجائے پبلک کی رضا جوئی کو اپنا مسلک بنائے۔ اس قسم کے بہت سے مفتی۔ لیڈر۔ مقرر اور محرر پہلے سے مسلمانوں کے پاس موجود ہیں۔ وہ ان کی خواہشاتِ نفس کو تسلی دینے والی باتیں کہنے اور لکھنے کے لئے کافی ہیں۔ میں بہرحال اپنے آپ کو اس زمرے میں شامل نہیں کر سکتا۔ مجھے قوم کی خوشنودی سے بڑھ کر خدا کی خوشنودی عزیز ہے۔ اگر قوم اس راہ پر چلنا چاہے جس میں خدا کی خوشنودی ہے تو میں اس کی خدمت کے لئے حاضر ہوں۔ ورنہ میں خدا کی خوشنودی کے پیچھے چلتا رہوں گا۔ اور قوم کو اختیار ہے جدھر چاہے جائے۔ آپ کا یہ ارشاد بھی نظرِ ثانی کا محتاج ہے کہ میرا یہ طرزِ عمل اس مقصد کے لئے نقصان دہ ہے جس کے لئے میں جدوجہد کر رہا ہوں۔ یعنی اسلامی نظامِ حکومت کا قیام۔ میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ اس مقصد کے لئے یہی طرزِ عمل انسب و اولیٰ ہے۔ آخر اسلامی نظامِ حکومت کے معنی ہی کیا ہیں۔ اگر اس کا بنیادی اصول یہ نہ ہو کہ ملک کی داخلی سیاست اور خارجی پالیسی کے معاملہ میں اتباع صرف کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کا ہو گا نہ کہ قومی خواہشات اور دنیوی مصلحتوں کا۔ پس یہ بات عین میرے مقصد کے مطابق ہے کہ میں صرف انہی لوگوں کو اپنے ساتھ لوں اور انہی پر اعتماد کروں جو احکامِ خدا اور رسول کے آگے جھک جانے کے لئے تیار رہیں۔ ورنہ ایسی رائے عام کی تائید میرے لئے ذرہ برابر بھی مفید

نہیں ہے جو نعرہ تو اسلامی حکومت کا لگائے مگر جب اس کی خواہشات کے خلاف کوئی حکم شرعی اُسے سنایا جائے تو وہ اس پر صرف چیں بجبیں ہی نہ ہو بلکہ کہنے والے پر لعنت ملامت کی بوچھاڑ شروع کر دے۔" (ایضاً صفحہ ۱۲)

اس کے بعد انہوں نے اس سوال کے متعلق بحث کرتے ہوئے لکھا۔

"میں نے جنگِ کشمیر کے متعلق جس رائے کا اظہار کیا ہے وہ دراصل قرآن مجید کے ایک صریح حکم پر مبنی ہے۔ سورۃ انفال رکوع ۹ میں ارشاد ہوا ہے۔

وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ۔

اور جو لوگ ایمان تو لائے ہیں مگر ہجرت کر کے تمہارے پاس نہیں آئے ان کی ولایت کا کوئی تعلق تم میں سے نہیں ہے۔ جب تک کہ وہ ہجرت کر کے نہ آ جائیں۔ البتہ اگر وہ دین کے معاملہ میں تم سے مدد مانگیں تو مدد کرنا تم پر واجب ہے۔ مگر کسی ایسی قوم کے خلاف نہیں جس کے اور تمہارے درمیان معاہدہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

اس آیت میں یہ بات صاف کر دی گئی ہے کہ اگر ہماری سرحد کے باہر کسی مسلمان آبادی پر ظلم ہو رہا ہو اور وہ ہم سے مدد مانگے تو ہم اسی صورت میں مدد کو جا سکتے ہیں جب کہ ظلم کرنے والی قوم کے ساتھ ہمارے (قومی حیثیت سے) معاہدانہ تعلقات نہ ہوں۔ لیکن اگر ظالم قوم کے ساتھ ہمارا معاہدہ ہو تو ہمارا دل خواہ اپنے مظلوم بھائیوں کی مصیبت پر کتنا ہی کڑھتا ہو، ہم ان کی حمایت میں انفرادی یا اجتماعی طور پر کوئی جنگی کارروائی نہیں کر سکتے۔" (ایضاً صفحہ ۱۲)

اس کے بعد انہوں نے اپنی رائے کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھا۔

"آپ کا یہ بیان امرِ واقعہ کی حد تک بالکل درست ہے کہ کشمیر کے معاملہ میں حکومت ہند اور حکومت پاکستان کا کوئی معاہدہ نہیں ہوا ہے۔ بلکہ یہ معاملہ ان کے درمیان مابہ النزاع ہے۔ اور حکومت پاکستان انڈین یونین کے ساتھ کشمیر کے الحاق کو تسلیم کرنے سے انکار کر چکی ہے لیکن اس امرِ واقعہ سے آپ کا یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہے کہ ہم کشمیر میں جنگی کارروائی کرنے کے لئے آزاد ہیں۔ دو قوموں کے درمیان چند معاملات میں معاہدانہ تعلق اور ایک یا دو معاملوں میں حالتِ جنگ کا قیام ایک ایسی متناقض بات ہے۔ جس کا کوئی معقول آدمی تصور نہیں کر سکتا۔ معاہدانہ

تعلقات، خواہ وہ کسی نوعیت کے ہوں، بہر حال اس امر کو مستلزم ہیں کہ دونوں قومیں ایک دوسرے کے خلاف جنگی کارروائی نہیں کریں گی۔ کسی امر میں اگر ان کے باہم نزاع ہو تو جب تک معاہدانہ تعلقات قائم ہیں اس نزاع کو پرامن طریقہ سے ہی سلجھانے کی کوشش کی جائے گی۔ اور اگر وہ کسی طرح نہ سلجھ سکے تو جنگ کا فیصلہ کرنے سے پہلے ان تمام دوستانہ تعلقات کو ختم کرنا ہوگا۔ جو ان کے درمیان قائم تھے۔ لہٰذا اگر قومی حیثیت سے ہماری یہ رائے ہے کہ کشمیر کے معاملہ کی نزاکت ہمارے لئے حد برداشت سے متجاوز ہو چکی ہے اور یہ معاملہ ہمارے لئے اتنی اہمیت رکھتا ہے کہ ہمیں اس کی خاطر جنگ کرنی چاہیئے تو بجائے اس کے کہ ہم اخلاقی اور شرعی حدود کو توڑ کر بے قاعدہ جنگی کارروائیاں کریں، ہم کو اپنی حکومت پر زور دینا چاہیئے کہ وہ حکومت ہند کے ساتھ اپنے معاہدانہ تعلقات ختم کر کے کشمیر کے معاملہ میں کھلم کھلا فوجی مداخلت کرے۔ صرف یہی وہ سیدھا اور صاف طریق عمل ہے جو ایک مسلم قوم ہونے کی حیثیت سے ہم اپنے دین کے مطابق اختیار کر سکتے ہیں۔"

آپ پوچھ سکتے ہیں کہ اس موقع پر کشمیر کے معاملہ میں تمہارے اس اظہار رائے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ لیکن درحقیقت اس سوال کا جواب میرے ذمہ نہیں ہے بلکہ ان لوگوں کے ذمہ ہے جنہوں نے اصرار کر کے ایک پرائیوٹ صحبت میں مجھ سے اس مسئلہ پر استفسار کیا اور پھر میرے جواب کو مسخ کر کے بلا ضرورت اخبارات میں اچھالا۔ اگر میں نے بطور خود پبلک میں کوئی بیان دیا ہوتا اور اسے شائع کرنے کی کوشش کی ہوتی تو البتہ آپ مجھ سے شکایت کر سکتے تھے۔"

(ایضاً صفحہ ۱۲۲-۱۲۳)

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ مرحوم اور دیگر علمائے نے مودودی صاحب کی اس رائے کی سخت مخالفت کی۔ اور (اخبارات میں شائع شدہ خبروں کے مطابق) اس کے خلاف، علمائے ازہر اور شام وغیرہ کے فتاویٰ بھی منگائے گئے۔ اور مولانا عثمانیؒ مرحوم نے مودودی صاحب کو تنبیہ کی کہ وہ خدا سے اپنے اس گناہ کی معافی مانگیں۔ لیکن مودودی صاحب کہاں ماننے والے تھے۔ چنانچہ وہ اپنی رائے پر اڑے رہے۔ اس کے بعد حکومت نے انہیں نظر بند کر لیا تو ان کی جماعت کی طرف سے ایک پمفلٹ شائع ہوا۔ جس کا عنوان تھا "مولانا مودودی کی نظر بندی"

جماعت اسلامی کا بیان

اس پمفلٹ میں جہادِ کشمیر کے سلسلہ میں لکھا تھا۔

اکابر حکومت نے ایک طرف تو یہ کیا کہ جماعت اسلامی کو انگریز کے قانون کے تحت سیاسی جماعت قرار دے کر سی۔ آئی۔ ڈی کی نگرانی اور خطوط کے سنسر کا

سلسلہ شروع کر دیا اور دوسری طرف یہ سازش شروع کی کہ ایسا کوئی شوشہ چھوڑا جائے جس سے مولانا موصوف اور جماعت اسلامی کو پہلے بدنام کیا جا سکے۔ اور پھر انہیں اور ان کے خاص خاص ساتھیوں کو گرفتار کر کے نظام اسلامی کی اس تحریک کا سارا جھگڑا ہی ختم کر دیا جائے۔ کشمیر کا مشہور قضیہ دراصل اس سازش کا نتیجہ تھا۔ یہ قضیہ کس طرح اٹھایا گیا۔ اس کی اصلیت کیا تھی اور اس سے کیا کام لیا گیا۔ (جماعت اسلامی پر ایک نظر ص۴۸)

اس میں یہ کہا گیا ہے کہ جماعت اسلامی کے خلاف خواہ مخواہ تادیبی کارروائی کرنے کے لئے ایک سازش کی گئی تھی اور کشمیر کا یہ مسئلہ اسی سازش کی ایک کڑی تھا۔ اسی مفروضے کے ماتحت اس پمفلٹ میں آگے جا کر لکھا گیا تھا کہ

دنیا یہ سُن کر حیران ہوگی اور مولانا اور جماعت کے دوسرے لوگ بھی اس انکشاف پر سخت حیران ہوئے تھے کہ یہ صاحب جنہوں نے اس طرح پراپیگنڈا مجلس میں مولانا سے ایک بات پوچھی اور پھر ان کے جواب کو کسی قدر تحریف کے ساتھ دُنیا بھر میں پھیلایا۔ یہ کوئی ہندوستانی حکومت یا مہاراجہ ہری سنگھ کے ایجنٹ نہیں تھے بلکہ آزاد کشمیر گورنمنٹ کے نشر و اشاعت کے انچارج جناب نبی بخش نظامی تھے۔ ان صاحب کا نام اور منصب معلوم کرنے کے بعد شاید کسی ہوشمند آدمی کو بھی اس امر میں شک نہ رہے گا کہ یہ صاحب مولانا کے پاس خود نہیں آئے تھے بلکہ بھیجے گئے تھے۔ اور ان کا اس بات کو شائع کرنا کسی نادان بچے کی حماقت نہیں بلکہ خوب سوچی سمجھی اسکیم کا نتیجہ تھا۔ (ایضاً ص۴۹)

اس پمفلٹ میں تو یہ کہا گیا لیکن اس سے پہلے ایک اور واقعہ بھی ہوا۔ مودودی صاحب کی اس رائے کے خلاف ملک میں ایسا شور مچا کہ جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ نے وسط ستمبر میں اپنے ایک اجلاس میں

مجلس شوریٰ کا ریزولیشن

اس مسئلے پر غور کیا۔ اس اجتماع کی جو روئداد ترجمان القرآن کی ستمبر ۱۹۴۸ء کی اشاعت میں شائع ہوئی۔ اس میں اس مسئلہ کے متعلق حسب ذیل تصریحات تھیں۔

"چونکہ کچھ مدت سے جہاد کشمیر کے متعلق امیر جماعت کی ایک فقہی رائے پر ملک میں ایسے انداز سے مخالفانہ پروپیگنڈا ہو رہا تھا جس سے ان کی ذات کے ساتھ جماعت اسلامی اور اس کی اصلاحی تحریک کو بھی لپیٹ میں لے لیا گیا تھا۔ اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ اس معاملہ کو مجلس شوریٰ کے سامنے پیش کیا جائے۔ مجلس اس مسئلے کے تمام پہلوؤں پر غور

کرنے کے بعد جس نتیجہ پر پہنچی ہے وہ حسب ذیل ہے۔

امیر جماعت نے اپنے پچھلے بیانات میں جو شرعی مسئلہ بیان کیا تھا وہ اس حالت سے متعلق تھا۔ جب کہ سرکاری طور پر اس امر کا کوئی اقرار و اظہار نہیں ہوا تھا کہ پاکستانی فوجیں حدود کشمیر میں موجود ہیں۔ اب ۸ ستمبر کو مجلس اقوام متحدہ کے کشمیر کمیشن سے حکومت پاکستان کی جو مراسلت شائع ہوئی ہے اور وزیر خارجہ پاکستان نے ۸ ستمبر کو جو بیان دیا ہے اس میں اس امر واقعہ کا اظہار و اقرار موجود ہے اور حکومت ہند بھی اس پر مطلع ہو چکی ہے۔ لہٰذا اب چونکہ معاملہ کی نوعیت بالکل بدل گئی ہے اور اس بنا پر اس کا شرعی حکم بھی وہ نہیں ہوگا جو پہلے تھا اس لئے مجلس شوریٰ امیر جماعت کی اس رائے کو زیر بحث لانے کی ضرورت نہیں سمجھتی۔ اس انکشاف کے بعد امیر جماعت اور مجلس شوریٰ کی متفقہ رائے یہ ہے کہ اب معاہدانہ تعلقات کے باوجود اہل پاکستان کے لئے جہاد کشمیر میں جنگی حصہ لینا بالکل جائز ہے۔ کیونکہ اب دونوں مملکتوں کے درمیان اگر ایسے کوئی تعلقات ہیں تو اس کے صریح معنی یہ ہیں کہ ایک علاقہ میں حالت جنگ کا قیام اور دوسرے علاقوں میں مصالحانہ روابط کا تھا فریقین کی رضامندی سے ہے۔ (ص ۲۲۵)

اس سے واضح ہے کہ مودودی صاحب نے جہاد کشمیر کے متعلق واقعی یہ کہا تھا کہ مسلمانان پاکستان کے لئے جہاد کشمیر میں حصہ لینا ناجائز تھا۔ اور اس رائے کو جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ نے بعد میں تبدیل کیا۔

یہ ہے کشمیر کا وہ مسئلہ جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مملکت پاکستان کے وزیر امور داخلہ نے اپنے بیان میں یہ کہا ہے کہ مودودی صاحب نے اس جنگ میں شرکت کے خلاف فتویٰ دیا تھا اور مودودی صاحب چلا چلا کر کہہ رہے ہیں کہ میں نے ایسا کوئی فتویٰ نہیں دیا تھا۔ یہ میرے خلاف جھوٹے الزامات کے چلے ہوئے کارتوس ہیں اب آپ خود فیصلہ کر لیجئے کہ جس شخص کی یہ حالت ہو کہ جو کچھ اس نے خود اپنے قلم سے اپنے رسالے میں جون ۱۹۴۸ء میں اس تفصیل سے لکھا تھا اور جس کے متعلق اس کی جماعت کی مجلس شوریٰ نے یہ ریزولیشن پاس کیا تھا وہ اس سے یوں صاف مکر جائے تو اس کی کسی بات کا بھی اعتبار کیا جا سکتا ہے۔ لیکن آپ کو معلوم ہے کہ مودودی صاحب اب کیا کہیں گے؟ وہ یہ کہیں گے کہ میرے متعلق کہا گیا کہ میں نے اس قسم کا کوئی فتویٰ دیا ہے اور میں نے یہ کہا کہ میں نے اس قسم کا کوئی فتویٰ نہیں دیا۔ اور یہ بالکل ٹھیک ہے کہ میں نے فتویٰ نہیں دیا۔ اس لئے کہ فتویٰ وہ ہوتا ہے جس میں مسئلہ یوں پوچھا جائے کہ "کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین بیچ اس مسئلہ کے" اور پھر

میں نے فتویٰ نہیں دیا تھا

مفتی صاحب اس کے نیچے اپنا جواب لکھیں جو "واللہ اعلم بالصواب" کے الفاظ پر ختم ہو۔ اور اس کے نیچے "العبد" کے بعد دارالافتاء کی مہر بھی ثبت ہو۔ چونکہ اس باب میں ان میں سے کوئی شرط بھی پوری نہیں ہوتی۔ اس لئے میرا یہ بیان بالکل سچا ہے کہ میں نے کوئی فتویٰ نہیں دیا تھا۔

حکومت نے راستے بند کر دئے تھے!

مودودی صاحب نے اپنے حالیہ بیان میں یہ بھی کہا ہے کہ انہوں نے اس زمانے میں بڑی کوشش کی تھی کہ اپنی پوزیشن واضح کر دی جائے لیکن حکومت نے اس کے لئے سب راستے بند کر دئے۔ میں نے اخبارات میں اپنا بیان بھیجا اُسے چھاپا نہ گیا، ریڈیو پر بیان دینا چاہا تو اس کی اجازت نہ دی گئی۔ جماعت اسلامی کا آرگن "تسنیم" تھا اسے بند کر دیا گیا۔ اب اس کے بعد میں کیا کرتا۔ آپ نے دیکھا کہ اس میں اپنی بے بسی کا کیسا دردانگیز نقشہ کھینچا گیا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ قصہ مئی ۱۹۴۸ء کے دوسرے ہفتہ میں پیش آیا اور جون ۱۹۴۸ء کے ترجمان القرآن میں مودودی صاحب نے اس پر اپنا تفصیلی بیان شائع کیا۔ اُسے نہ حکومت نے (BAN) کیا اور نہ ہی اس کی اشاعت پر کوئی قدغن لگایا۔ آپ نے دیکھا کہ یہ لوگ کس طرح دوسروں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کرتے ہیں اور حکومت کو بدنام کرنے کے لئے کیا کیا حربے استعمال کرتے ہیں؟

بیرونی طاقت کے ساتھ روابط

وزیر امور داخلہ نے اپنے بیان میں یہ بھی کہا ہے کہ اس جماعت کے کسی بیرونی طاقت کے ساتھ روابط نظر آتے ہیں۔ ہمارے پاس ذاتی معلومات ہیں۔ نہ ہی کوئی ایسا ذریعہ جس سے ہم اس بیان کی تائید یا تردید کر سکیں۔ یہ حکومت کا کام ہے کہ اس کی تحقیق کرے۔ البتہ بعض قرائنی شہادات (CIRCUMSTANTIAL EVIDENCE) ایسی ہوتی ہیں۔ جن سے انسان کسی نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے۔ مودودی صاحب نے ۱۰۔ دسمبر ۱۹۵۵ء کو لاہور کے ایک جلسۂ عام میں ایک تقریر کی تھی اس تقریر کو پہلے ہی سے جماعت اسلامی کے حلقوں میں خاص اہمیت دی جا رہی تھی۔ اور ان کے اخبارات میں اس کے اقتباسات نمایاں حیثیت سے شائع ہوئے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب "عام الفاظ میں" پاکستان امریکی بلاک میں شامل ہو رہا تھا۔ اس پس منظر میں یہ دیکھئے کہ مودودی صاحب نے اپنی تقریر میں کیا فرمایا۔

امریکہ والوں کو تنبیہ

انہوں نے ایک طرف تو روس کو سرزنش کی کہ وہ پاکستان کے خلاف افغانستان کی پیٹھ نہ ٹھونکے اور اس کے بعد فرمایا۔

اس سلسلے میں دوسری بات یہ ہے کہ خود اینگلو امریکی بلاک کو بھی سوچنا چاہیئے کہ اگر وہ صرف

مسلمان حکمرانوں سے معاملہ کرنا چاہتا ہے اور اس کو مسلمان قوم کے ساتھ کوئی معاملہ نہیں کرنا ہے۔ تو الگ بات ہے۔ لیکن اگر اس کی خواہش یہ ہے کہ مسلمان ممالک کے عوام بھی اس کے ساتھ تعاون کریں تو اس معاملہ میں ہمیں وضاحت کے ساتھ یہ بتا دینا چاہیئے کہ مسلمان ملکوں کے ساتھ آپ کی جو پالیسی اب تک چلی آ رہی ہے وہ ایسی ہرگز نہیں ہے کہ پاکستان اور دوسرے ممالک کے عوام کا دلی تعاون آپ کو حاصل ہو سکے۔ (اخبار تسنیم۔ ۲۰۔ دسمبر ۱۹۵۵ء)

اس سے پہلے انہوں نے اپنی کراچی کی ایک تقریر میں اسی بات کو ان الفاظ میں بیان کیا تھا۔

"اگر یہ بلاک فی الواقعہ یہ چاہتا ہے کہ کمیونزم کی روک تھام کے لئے اسے مسلم عوام کا دلی تعاون حاصل ہو تو اسے اپنی بنیادی پالیسی میں بنیادی تغیر کرنا پڑے گا۔ اسے یہ فیصلہ کرنا ہو گا کہ اسے مسلم ممالک کے حکمرانوں سے ساز باز کرنا ہے یا مسلم ممالک کے عوام کا تعاون حاصل کرنا ہے۔ یہ اس کے سوچنے کا کام ہے کہ اسے کون سی راہ اختیار کرنی چاہیئے۔ اسے ان حکمرانوں کی ضرورت ہے جو عوام پر کسی اثر بھی نہیں رکھتے یا عوام کے تعاون کی ضرورت ہے جو طاقت کا اصلی سرچشمہ ہوتے ہیں۔ پچھلی جنگ عظیم نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ حکومت خواہ کتنی ہی مضبوط کیوں نہ ہو پوری طاقت نہیں لگا سکتی۔ جب تک ملک کے باشندے اس جنگ کو اپنی جنگ نہ سمجھیں۔ بلکہ اگر معاملہ برعکس ہوتا ہے تو ملک کے باشندے جابر حکمرانوں کے چنگل سے نکلنے کے لئے اس موقع سے پورا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ (تسنیم ۱۲۔ دسمبر ۱۹۵۵ء)

ہم سے معاملہ کرو

آپ نے غور فرمایا کہ مودودی صاحب امریکی حکومت سے کیا کہہ رہے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ

(۱) تم جو پاکستان کی حکومت سے براہ راست "ساز باز" کر رہے ہو تو تمہیں اس میں سخت نقصان اور خطرہ ہے۔ اس لئے کہ یہاں کے عوام ان حکمرانوں کے ساتھ نہیں ہیں۔

(۲) اگر کل کو جنگ چھڑ گئی تو یہ عوام حکومت کا ساتھ نہیں دیں گے بلکہ ان کے چنگل سے نکلنے کے موقع سے فائدہ اٹھائیں گے۔ اور تم مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔

(۳) اگر تمہیں فی الواقع روس کی روک تھام کرنی ہے تو پاکستان کے حکمرانوں کی جگہ یہاں کے عوام سے معاملہ کرو۔ جو طاقت کا اصلی سرچشمہ ہیں۔

(۴) اور یہ ظاہر ہے کہ عوام سے معاملہ ان کے نمائندوں کی وساطت سے ہی کیا جائے گا اس لئے تم یہاں کی حکومت کو چھوڑ کر ہم سے معاملہ کرو۔

اس کے بعد کیا ہوا۔ یہ امریکہ جانے یا مودودی صاحب! لیکن دنیا نے اتنا ضرور دیکھا کہ مودودی صاحب کی یہ اپیل

کوشش رہی کہ مشرق وسطیٰ کے مسلم ممالک میں مغربی امپریلزم کا تسلط قائم رہے۔ شاہ سعود کے ساتھ الحاق کے روابط اور رابطہ اسلامی جیسی تنظیم کی تشکیل (جس کے متعلق مودودی صاحب کا اپنا بیان یہ ہے کہ وہ صرف "ناصریت" کی ضد میں قائم کی گئی ہے)۔ اس حقیقت کی کھلی ہوئی شہادت ہے۔

حرفِ آخر

سابقہ صفحات میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے آپ خود یہ اندازہ لگا لیجئے کہ مودودی صاحب کے خلاف جو یہ کہا جا رہا ہے کہ

۱۔ انہوں نے تقسیم ملک سے پہلے مسلم لیگ، قائد اعظم اور مطالبۂ پاکستان کی سخت مخالفت کی۔

۲۔ ان کی اس مخالفت کا سلسلہ تشکیلِ پاکستان کے بعد بھی جاری رہا۔

۳۔ انہوں نے حکومت کے خلاف منافرت پھیلائی اور عوام کے اندر بددلی پیدا کی۔

۴۔ سرکاری ملازمین کو اکسایا کہ وہ حکومت سے وفاداری کا حلف نہ اٹھائیں۔

۵۔ عوام سے کہا کہ پاکستانی فوج یا دیزرو میں بھرتی ہونا جائز نہیں۔

۶۔ پورے زور و شور سے کہا کہ کشمیر کے جہاد میں حصہ لینا جائز نہیں۔

کیا یہ سب جھوٹے الزامات ہیں یا یہ ٹھوس واقعات ہیں۔ جن کی شہادت خود ان کی اپنی تحریروں سے ملتی ہے۔

ہمیں اس سلسلہ میں جماعت اسلامی یا اس کے امیر سے کچھ نہیں کہنا اس لئے کہ انہوں نے اپنے عوائم کو چھپا کر نہیں رکھا۔ وہ پاکستان کے دشمن ہیں تو کھلے بندوں اس کی مخالفت کرتے چلے آ رہے ہیں۔ وہ حکومت کی کرسیاں چھیننا چاہتے ہیں تو اعلانیہ حکومت کی مخالفت کرتے ہیں۔ عوام کو اس کے خلاف اکساتے ہیں۔ ان کے دلوں میں نفرت کے جذبات برپا کرتے ہیں۔ انہیں بغاوت پر آمادہ کرتے ہیں لیکن ہمیں افسوس ہے تو پاکستان کے ارباب نظم و نسق پر — جن کے ہاتھوں میں مختلف اوقات میں پاکستان کی حکومت رہی وہ جانتے تھے کہ اس قسم کی خطرناک جماعت مسلسل .....

ارباب حکومت پر افسوس

... ملک میں اپنا جال پھیلاتی چلی جا رہی ہے تو انہوں نے ملک کو اس خطرہ سے بچانے کے لئے کیا کیا۔ ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ اس جماعت کا اثر و اقتدار بڑھتا ہی چلا گیا۔ اور اس کی روک تھام کے لئے کوئی موثر اقدام نہ کیا گیا۔ یہی نہیں بلکہ اس جماعت کو سہولتیں بہم پہنچائی گئیں — اوائل ۱۹۴۸ء میں ایک طرف مودودی صاحب پاکستان اور قائد اعظم کے خلاف جذبات منافرت پھیلانے میں مصروف تھے اور دوسری طرف ان کی

تقاریر ریڈیو پاکستان سے نشر کی جا رہی تھیں۔ اور انہیں پاپولر بنانے کے لئے حکام تک نے ان کا ساتھ دیا۔ پچھلے ہی سال غلاف کعبہ کے سلسلے میں جو کچھ ہوا تھا اس کی یاد ابھی تک تازہ ہے۔ حکومت کے رازہائے درون پردہ تک ان کی کیسے رسائی ہو جاتی ہے، اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ مودودی صاحب نے دسمبر ۱۹۵۵ء میں جو تقریر

اندرونی رازوں تک رسائی

فرمائی تھی (جس کا حوالہ ہم اوپر دے چکے ہیں) اس میں انہوں نے دستور پاکستان کی تدوین کے سلسلے میں کھلے بندوں ایسی باتوں کا انکشاف کیا جو کسی اور کے علم میں نہیں تھیں۔ واضح رہے کہ اس زمانے میں وہ دستور زیر تدوین تھا۔ جسے سنہ ۱۹۵۶ء میں پاکستان کے وزیر اعظم چوہدری محمد علی نے نافذ کیا تھا۔ اس تقریر میں مودودی صاحب نے فرمایا تھا۔

> سابقہ دستور کی پیش کردہ دستوری دفعات میں سے اس دفعہ کو بھی خارج کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے جس میں کہا گیا تھا کہ اس ملک میں کتاب و سنت کے خلاف قانون سازی نہیں کی جا سکے گی۔ اور میری اطلاع کے مطابق اس حلف کو بھی تبدیل کئے جانے کا فیصلہ کیا جا چکا ہے۔ جو سابقہ دستور نے طے کر دیا تھا۔ اور میری اطلاع یہ ہے کہ اس میں صدر ریاست کو وزیر اعظم مقرر کرنے اور صوبائی گورنروں کو چیف منسٹروں کے تقرر کا اختیار بھی دیا جا رہا ہے۔
>
> (تسنیم - ۲۰ - دسمبر ۱۹۵۵ء)

اس زمانے میں دستور کے سلسلے میں جو باتیں زیر غور تھیں، حکومت نے انہیں صیغۂ راز میں رکھا تھا۔ مودودی صاحب نے ان باتوں کا انکشاف بھرے مجمع میں کیا۔ اور حکومت نے ان سے یہ تک نہ پوچھا کر آپ کو یہ اطلاعات ملی کہاں سے ہیں۔ اور پھر اس بات کا انکشاف تو نواب آف ممدوٹ نے ابھی اگلے دن کیا ہے کہ جب ان کے عہد حکومت میں جہاد کشمیر کے خلاف فتوےٰ دینے کی بنا پر مودودی صاحب کو گرفتار کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا تو چوہدری محمد علی صاحب نے اس میں مداخلت کی تھی۔ اور انہیں گرفتار نہیں ہونے دیا تھا۔ بہرحال ہم کہتے یہ تھے کہ جب یہ جماعت گزشتہ ۱۶ برس سے یہ کچھ کرتی چلی آ رہی ہے تو جن ہاتھوں میں سرزمین پاکستان کی امانت رہی ہے، انہوں نے اس امانت کو مذکورہ خطرے سے محفوظ رکھنے کے لئے کیا کیا؟

ہم نے شروع میں لکھا ہے کہ مودودی کا انداز یہ ہے کہ ان کے خلاف جب بھی کوئی اعتراض کیا جائے تو یا تو وہ اس سے صاف مکر جاتے ہیں کہ میں نے ایسا کہا ہی نہیں، یا ایسی ذومعنی بات کرتے ہیں جو مغرب کی ابلیسی سیاست کا حصہ بن چکی ہے۔ اس کی تازہ ترین شہادت ان کے وہ متضاد بیانات ہیں جو انہوں نے وزیر داخلہ کے حالیہ عائد کردہ اعتراضات کے جواب میں شائع کئے۔ وزیر داخلہ نے ایک پمفلٹ سے جس کا عنوان تھا "ماضی قریب کا جائزہ"

مودودی صاحب کی ایک تحریر پیش کی۔ اس کے جواب میں مودودی صاحب نے حسب معمول بڑے دھڑلے سے کہا کہ یہ سراسر غلط ہے۔ میں نے ایسی کوئی کتاب شائع نہیں کی اور نہ ایسی کوئی تحریر میرے علم میں ہے۔ اس کا جو اثر عوام کے دل پر ہو سکتا تھا وہ ظاہر ہے۔ لوگوں نے یہی سمجھا کہ حکومت کی کتنی بڑی زیادتی ہے کہ وہ اتنے بڑے کھلے جھوٹ سے کام لے رہی ہے۔ غنیمت ہوا کہ وزیر داخلہ نے مودودی صاحب کی اس بات کو منہ پھیر کر ٹال نہیں دیا بلکہ اس کا تعاقب کیا۔ اور دوسرے ہی دن پریس کانفرنس میں وہ پمفلٹ پیش کر دیا۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس کے جواز میں مودودی صاحب نے کیا فرمایا۔ انہوں نے کہا کہ میں نے سنہ ۱۹۴۲ء میں ترجمان القرآن کی بعض اشاعتوں میں یہ مضامین لکھے تھے۔ میری نظربندی کے دوران میں جماعت اسلامی کراچی نے انہیں ایک پمفلٹ کی شکل میں شائع کر دیا۔ مجھے اس کا کوئی علم نہیں تھا۔ مولانا کی نظربندی سنہ ۱۹۴۹ء کی بات ہے۔ اس کے بعد تیرہ برس تک یہ پمفلٹ جماعت اسلامی کے بک اسٹالوں سے فروخت ہوتا رہا۔ جگہ جگہ اس کا چرچا ہوا۔ لیکن اس کے متعلق اگر کسی کو علم نہ ہوگا تو وہ خود مودودی صاحب تھے۔ چنانچہ وہ اپنے بیان میں لکھتے ہیں کہ میں حیران ہوں کہ یہ کتاب کہاں سے آ گئی تھی۔ آپ نے دیکھا کہ مغربی سیاست انہیں کس کس قسم کے حربے سکھا رہی ہے۔ اور وہ ایسا کیوں نہ کریں جب ان کا عقیدہ یہ ہو کہ "زندگی کی بعض ضروریات ایسی ہیں جن کے لئے جھوٹ بولنا نہ صرف جائز بلکہ واجب قرار پا جاتا ہے۔"

مودودی صاحب نے اپنے حالیہ بیانات میں یہ بھی فرمایا ہے کہ ہم آئینی پارلیمانی جماعت ہیں۔ ہم حکومت کو بدلنے کے لئے صرف آئینی اور قانونی ذرائع اختیار کرتے ہیں۔ تشدد اور قوت کا استعمال ہمارے نزدیک قطعاً جائز نہیں۔ لیکن دیکھئے کہ اس باب میں اس جماعت کا مسلک کیا ہے۔ وہ مسلک یہ ہے کہ

> جب صالحین کا گروہ منظم ہو۔ اہلِ ملک کی عظیم اکثریت ان کے ساتھ ہو۔ یا کم از کم اس بات کا ظن غالب ہو کہ عملی جدوجہد شروع ہوتے ہی اکثریت ان کا ساتھ دے گی اور کسی بڑی تباہی و خونریزی کے بغیر مفسدین کے اقتدار کو ہٹا کر صالحین کا اقتدار قائم کیا جا سکے گا۔ اس صورت میں بلاشبہ صالحین کی جماعت کو نہ صرف حق حاصل ہے بلکہ ان کے اوپر یہ شرعی فرض ہے کہ وہ اپنی طاقت منظم کر کے ملک کے اندر بزورِ شمشیر انقلاب پیدا کر دیں اور حکومت پر قبضہ کر لیں۔ (اسلامی ریاست ص ۲۷ بحوالہ امروز ۲۹ نومبر ۶۳ء)

یوں یہ جماعت حکومت حاصل کرے گی۔ اور جب حکومت ان کے ہاتھ میں آ جائے گی تو پھر یہاں کے بدقسمت مسلمانوں کا ان کے ہاتھوں کیا حشر ہوگا اس کے متعلق بھی سن لیجئے۔ (اشارۃً ہم اس کا ذکر شروع میں بھی کر چکے ہیں۔ لیکن ہم خود مودودی صاحب کے الفاظ پیش کرتے ہیں)۔ وہ اپنے پمفلٹ "مرتد کی سزا اسلامی قانون میں" لکھتے ہیں کہ پاکستان کے پیدائشی مسلمانوں کے متعلق پالیسی یہ ہوگی کہ۔

> انہیں نوٹس دے دیا جائے کہ جو لوگ اسلام سے اعتقاداً و عملاً منحرف ہو چکے ہیں اور

منحرف ہی رہنا چاہتے ہیں، وہ تاریخ اعلان سے ایک سال کے اندر اندر اپنے غیر مسلم ہونے کا باقاعدہ اعلان کر کے بھائے نظام اسلامی سے باہر نکل جائیں۔ اس مدت کے بعد ان سب لوگوں کو جو مسلمانوں کی نسل سے پیدا ہوئے ہیں، مسلمان سمجھا جائے گا۔ تمام قوانین اسلامی ان پر نافذ کئے جائیں گے۔ فرائض و واجبات دینی کے التزام پر انہیں مجبور کیا جائے گا۔ اور پھر جو کوئی دائرۂ اسلام سے باہر قدم رکھے گا اسے قتل کر دیا جائے گا۔ اس اعلان کے بعد انتہائی کوشش کی جائے گی کہ جس قدر مسلمان زادوں اور مسلمان لڑکیوں کو کفر کی گود میں جانے سے بچایا جا سکتا ہے بچا لیا جائے۔ پھر جو کسی طرح نہ بچائے جا سکیں انہیں دل پر پتھر رکھ کر ہمیشہ کے لئے اپنی سوسائٹی سے کاٹ پھینکا جائے۔ اور اس عمل تطہیر کے بعد اسلامی سوسائٹی کی نئی زندگی کا آغاز صرف ایسے مسلمانوں سے کیا جائے جو اسلام پر راضی ہوں۔ (طبع دوم صفحہ)

تب جا کر کہیں امیر جماعت اسلامی سید ابوالاعلیٰ مودودی مدظلہ العالی کا کلیجہ ٹھنڈا ہوگا اور جماعت اسلامی سے باہر کے ہر مسلمان کی گردن پر تلوار رکھ کر اس سے کہا جائے گا کہ

"تم نے میری بجائے محمد علی جناحؒ کو جو اپنا قائد مانا تھا آج اس کا مزا چکھ لو"

مودودی صاحب

نے اب اعلان کیا ہے کہ وہ پاکستان میں "جمہوریت" قائم کرنے کے لئے مہم شروع کرنے والے ہیں۔ ہم آئندہ قسط میں یہ بتائیں گے کہ جمہوریت کے متعلق ان کے خیالات کیا تھے۔ اور اب یہ کون سا چولا بدل رہے ہیں۔ اس میں بڑے دلچسپ انکشافات آپ کے سامنے آئیں گے۔

مزاج شناس رسولؐ

جو مضمون آپ نے گزشتہ صفحات میں پڑھا ہے اس سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ جماعت اسلامی اور اس کے امیر کے عزائم کیا ہیں اور وہ کس طرح قوت حاصل کرنے کے لئے ہر نقاب اوڑھ لیتے ہیں۔ لیکن یہ کچھ آپ نے صرف دو تین گوشوں کے متعلق دیکھا ہے۔ یہ لوگ زندگی کے ہر گوشے میں یہی کچھ کرتے ہیں۔ ان امور کی تفصیل دیکھنی ہو تو آپ ادارہ کی طرف سے شائع کردہ کتاب

مزاج شناسِ رسولؐ

دیکھئے۔ جماعت اسلامی اور اس کے امیر کے متعلق اتنا مواد اور اس انداز سے مربوط شکل میں آپ کو کہیں نہیں ملے گا۔ اس سے ان کی پوری تصویر آپ کے سامنے آجائے گی۔

قیمت مجلد چار روپے۔

قتل مُرتد ــــ غلام اور لونڈیاں

اگر (خدانخواستہ) مودودی صاحب اور ان کی جماعت برسر اقتدار آجائے تو ان کی حکومت میں اسلام کے نام پر انسانیت کا حشر کیا ہوگا۔ اختلاف عقائد کی بنا پر کس طرح ایک مسلمان کو مرتد قرار دیا جا سکے گا اور اس کے بعد کیونکر اس کے قتل کا جواز پیدا کیا جائے گا۔ جنگ کے دوران کسی دوسری قوم کی جو عورتیں گرفتار ہوں گی انہیں کس طرح لونڈیاں بنا کر گھروں میں ڈالا اور بیچا جائے گا۔ یہ سب تفصیل اور قرآن کریم کی روشنی میں اس کا جواب آپ کو مندرجہ عنوان کتاب میں ملیگا۔

قیمت (سستا ایڈیشن)۔ ڈیڑھ روپیہ۔

ملنے کا پتہ:۔ میزان پبلیکیشنز ــــ ۲۷ بی۔ شاہ عالم مارکیٹ۔ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پرویز صاحب کی دو اہم تقریریں

[مختلف گوشوں سے یہ تقاضا بار بار موصول ہو رہا تھا کہ پرویز صاحب جس قرآنی فکر اور پیغام کو مدت سے پیش کرتے چلے آ رہے ہیں اُسے مختصر اور عام فہم الفاظ میں چند صفحات میں ایک جگہ بیان کر دیا جائے تو اس سے بڑا فائدہ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اس مقصد کو پرویز صاحب سے بہتر اور کون پورا کر سکتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے ان پیہم تقاضوں کے پیش نظر اس پیغام کو اپنی دو مختصر اور عام فہم تقاریر میں پیش کیا ہے جنہیں ہم درج ذیل کرتے ہیں۔ امید ہے قارئین انہیں مفید پائیں گے اور انہیں عام کرنے کی کوشش کریں گے۔ طلوع اسلام]

پہلی تقریر

ہم ذلیل کیوں ہیں!

برادران عزیز! السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرمؐ کو مخاطب کرکے کہا ہے کہ قُلْ اِنَّمَا اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ۔ ان سے کہہ دو کہ میں تم سے کوئی لمبی چوڑی باتیں نہیں کرنا چاہتا۔ میں صرف ایک بات کہنا چاہتا ہوں — صرف ایک بات — وہ بات کیا ہے؟ یہ کہ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى۔ تم ایک ایک، دو دو کرکے، خدا کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ اور پھر کیا کرو؟ ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا۔ تم سوچو۔ غور کرو۔ بس یہ ایک بات تھی جو حضورؐ نے اپنے مخاطبوں سے کہی۔ یہ کہ تم سوچا کرو۔ غور و فکر کیا کرو۔ کیا سوچا کرو کس بات پر غور و فکر کیا کرو؟ اس بات پر کہ ہماری زندگی کیسے گزر رہی ہے؟ یہ ایسی کیوں ہے؟ کیا یہ اس سے بہتر نہیں بن سکتی؟ کیوں نہیں بن سکتی؟ اگر بن سکتی ہے تو کیسے بن سکتی ہے؟ یہ ہیں وہ باتیں جن کے متعلق کہا گیا ہے کہ تم کبھی کھڑے ہو کر سوچا کرو۔ غور و فکر کیا کرو۔ تم نے اگر سوچنا شروع کر دیا تو سمجھ لو کہ تمہاری حالت میں تبدیلی پیدا ہونے کا وقت آ گیا۔ تمہارا نصیبہ جاگ اٹھا۔ تمہاری بگڑی بننی شروع ہو گئی۔ تم نے اپنے لئے ایک نئی زندگی کی بنیاد رکھ دی۔ میں نے برادران عزیز! اس وقت آپ کو اسی لئے تکلیف دی ہے کہ آپ تھوڑے سے وقت کے لئے اپنے کام کاج سے یکسو ہو کر میری بات سنیں اور جو کچھ میں کہوں اس پر غور و فکر کریں۔ آپ دیکھیں گے کہ اس سے بہت فائدہ مند باتیں سامنے آئیں گی۔ اس سے ہم سب کا بھلا ہو گا۔

سب سے پہلے اس بات پر غور کیجئے کہ آج دنیا کے اکثر حصوں میں مسلمانوں کی آبادیاں ہیں۔ ان کی مجموعی تعداد کوئی چالیس کروڑ بتاتا ہے کوئی پچاس ساٹھ کروڑ۔ تعداد کچھ بھی ہو۔ یہ ظاہر ہے کہ مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک مسلمانوں کی مسلسل آبادیاں چلی جاتی ہیں۔ ادھر افریقہ میں بھی ان کی کافی تعداد ہے۔ یورپ کے کئی ملکوں میں مسلمان بستے ہیں۔ روس اور چین میں بھی ان کی اچھی خاصی تعداد ہے۔ ان میں بیشتر حکومتیں ایسی ہیں جو بالکل آزاد ہیں۔ بعض نیم آزاد اور نیم محکوم ہیں۔ بعض محکوم بھی ہیں۔ ان میں ایسے علاقے بھی ہیں جہاں خالص مسلمانوں کی آبادی ہے۔ بعض ایسے بھی ہیں جہاں مسلم اور غیر مسلم

ملے جلے رہتے ہیں۔ یہ ہے مسلمانوں کی آبادی کی کیفیت۔ اب یہ دیکھئے کہ ان کی حالت کیا ہے؟ جو آزاد مملکتیں ہیں وہ غیر مسلموں کی آزاد مملکتوں کے مقابلہ میں بہت کمزور اور ذلیل ہیں۔ افغانستان۔ ایران۔ حجاز۔ مصر۔ شام۔ انڈونیشیا وغیرہ حکومتیں، یورپ اور امریکہ کی غیر مسلم حکومتوں کے مقابلہ میں نہ صرف کمزور ہیں بلکہ ان کے رحم و کرم پر زندہ ہیں۔ وہ انہیں جس حالت میں رکھنا چاہیں انہیں رہنا پڑتا ہے۔ ان میں سے ہر مملکت کسی نہ کسی غیر مسلم حکومت سے امداد لیتی ہے۔ انہیں کھانے کے لئے غلہ ان کے ہاں سے ملتا ہے۔ مشینری وہاں سے آتی ہے۔ ضروریات زندگی کی اہم چیزیں ان سے لینی پڑتی ہیں۔ دوائیاں ان کے ہاں سے آتی ہیں۔ ہتھیار وہاں سے ملتے ہیں۔ حتّٰی کہ نقد روپیہ ان کے ہاں سے ملتا ہے۔ یہ سب کچھ غیر مسلم حکومتوں سے ملتا ہے تب جا کر ان مسلمان حکومتوں کا گزارہ ہوتا ہے۔

آپ سوچئے کہ جو کچھ میں نے کہا ہے ٹھیک ہے یا نہیں؟

اب آگے بڑھئے۔ روس، چین اور یورپ کے جن ملکوں میں مسلمان اور غیر مسلم ملے جلے رہتے ہیں، وہاں بھی مسلمان غیر مسلموں سے دبے ہوئے زندگی بسر کرتے ہیں۔ وہاں اختیار اور اقتدار سب غیر مسلموں کے ہاتھ میں ہے۔ وہاں کے جتنے بڑے بڑے لوگوں کا نام سننے میں آتا ہے وہ سب غیر مسلم ہیں کسی بڑے مسلمان کا نام تک سنائی نہیں دیتا۔ اگرچہ ان ملکوں میں حاکم اور رعایا کا تصور نہیں۔ وہاں ملک کے سب باشندے حکومت کے کاروبار میں یکساں شریک سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن وہاں عملاً ایسا دکھائی دیتا ہے جیسے غیر مسلم حاکم ہوں اور مسلم محکوم۔

اب اپنے گھر کی طرف آیئے۔ آزادی سے پہلے ہندو اور مسلمان دونوں ہندوستان میں، انگریزوں کے محکوم تھے۔ لیکن وہاں بھی مسلمانوں کی حالت، ہندوؤں کے مقابلہ میں کہیں کمزور تھی۔ ایسا نظر آتا تھا کہ مسلمان، انگریز کا بھی محکوم ہے اور ہندو کا بھی۔ وہاں ہماری آبادی کا نوّے فیصد حصہ ہندوؤں کا مقروض ہوتا تھا۔ وہ تعلیم میں ہم سے آگے تھے۔ کاروبار میں ہم سے آگے تھے۔ دولت ان کے پاس بے شمار تھی۔ حکومت میں بھی انہیں کا زیادہ حصہ تھا۔ وہاں اب بھی چار کروڑ سے زیادہ مسلمان بستے ہیں لیکن ان کی جو حالت ہے وہ ظاہر ہے۔ نہ ان کی جان محفوظ ہے نہ مال۔ نہ عزت محفوظ ہے نہ عصمت۔ نہ ان کی عبادت گاہیں محفوظ ہیں نہ خانقاہیں۔ حتّٰی کہ ان کے قبرستان تک بھی غیر محفوظ ہیں۔ وہاں کے ہندو جہاں سے جی چاہے مسلمانوں کو نکال دیتے ہیں اور جدھر جی چاہے انہیں دھکیل دیتے ہیں۔ یہ اُن کے خلاف آواز تک نہیں نکال سکتے۔ اور اگر آواز نکالیں بھی تو اس کا سننے والا کوئی نہیں۔ یہ ہندوستان میں بسنے والے مسلمانوں کی حالت ہے۔ اب رہا پاکستان۔ سو ہمیں خدا کے فضل سے مکمل آزادی حاصل ہے۔ (خدا ہماری آزادی کو سلامت رکھے)۔ لیکن دیکھئے کہ یورپ، امریکہ، چین، روس وغیرہ کی غیر مسلم آزاد حکومتوں کے مقابلہ میں ہماری کیا حالت ہے؟ ہم ہر بات میں ان سے پیچھے ہیں۔ اور زندگی کی بہت سی ضروریات میں ان کے محتاج ہیں۔ پھر ملک کے اندر ہماری حالت یہ ہے کہ قریباً آدھی آبادی جھونپڑیوں میں رہتی ہے، انہیں مکان تک میسر نہیں۔ کتنی آبادی

ہے جو رات کو بھوکا سوتا ہے انہیں پیٹ بھر کر کھانے کو نہیں ملتا۔ کتنے لوگ ہیں جنہیں تن ڈھانپنے کو کپڑا تک میسر نہیں۔ ہماری کتنی مائیں، بہنیں، بیٹیاں ہیں جو گھروں سے اس لئے باہر نہیں نکل سکتیں کہ ان کے پاس ستر ڈھانپنے کے لئے پورا کپڑا نہیں۔ ہمارے کتنے مریض ہیں جو بے علاج مر جاتے ہیں۔ کتنے لوگ ہیں جن کے بچے ان کے سامنے تڑپ تڑپ کر جان دے دیتے ہیں۔ لیکن ان کے پاس دوائی خریدنے کے لئے چار پیسے نہیں ہوتے۔ کتنے ایسے ہیں جنہیں میت کے کفن دفن کے لئے گھر کے برتن تک بیچنے پڑتے ہیں۔ ہمارے کتنے بچے ہیں جو اسکولوں میں جگہ نہ ہونے کی وجہ سے گلیوں میں آوارہ پھرتے رہتے ہیں۔ کتنے ایسے ہیں جو فیس اور کتابوں کے لئے پیسے نہ ہونے کی وجہ سے ان پڑھ اور جاہل رہ جاتے ہیں۔ کتنی جوان لڑکیاں اس لئے گھروں میں بیٹھی ہیں کہ ان کے ماں باپ کے پاس اتنا نہیں کہ انہیں گھر سے باعزت اٹھا سکیں۔

برادرانِ عزیز! سوچئے کہ جو کچھ میں نے کہا ہے وہ غلط تو نہیں ــــ اور یہ حالت صرف ہماری ہی نہیں۔ افغانستان۔ ایران۔ عراق۔ شام۔ حجاز وغیرہ جس ملک میں جائیے وہاں یہی حالت نظر آئے گی بلکہ اس سے بھی بدتر حالت۔ حتیٰ کہ اگر آپ یورپ کے ان ملکوں میں جائیں جہاں مسلم اور غیر مسلم اکٹھے رہتے ہیں وہاں بھی آپ کو مسلمان اپنی ابتر حالت کی وجہ سے غیر مسلموں سے نمایاں طور پر الگ نظر آئیں گے۔ پھٹے پرانے کپڑے۔ ٹوٹے پھوٹے بوسیدہ مکان، ان کے چہروں سے نظر آ جاتا ہے کہ وہ کس قدر مفلس اور نادار ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ جہاں مفلسی اور ناداری ہو گی، وہاں ہزار قسم کے عیب بھی آ جائیں گے۔

اب آپ عزیزانِ من! ایک قدم آگے بڑھیے۔ جیسا کہ میں نے بتایا ہے یہ مسلمان دنیا کے مختلف حصوں میں رہتے ہیں۔ ایک دوسرے سے ان کے جغرافیائی حالات مختلف ہیں۔ آب و ہوا مختلف ہے۔ رہنے سہنے کے طریق مختلف ہیں۔ طبیعتیں مختلف ہیں۔ زبانیں مختلف ہیں۔ لیکن ان سب میں صرف ایک چیز مشترک ہے۔ یعنی یہ سب مسلمان ہیں۔ ان کا مذہب ایک ہے۔

اب سوچئے برادرانِ عزیز! کہ اگر کوئی غیر مسلم، ان حالات کو سامنے رکھ کر اس نتیجہ پر پہنچے کہ دنیا کی قوموں میں مسلمانوں کی پستی اور غریبی۔ مفلسی اور ناداری کا باعث ان کا مذہب ہے تو ہمارے پاس اس کا کیا جواب ہے؟ یہ ٹھیک ہے کہ ہمیں یہ بات بُری لگے گی۔ کوئی شخص بھی اپنے مذہب کے خلاف اس قسم کی بات سننے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ اُسے اس سے غصہ آ جاتا ہے لیکن برادرانِ من! غصہ آ جانے سے اس غیر مسلم کے اعتراض کا جواب تو نہیں مل سکتا۔ سوال یہ ہے کہ اگر اس کی وجہ، کہ مسلمان دنیا میں جہاں بھی ہے، ذلیل اور پست ہے، اس کا مذہب نہیں تو پھر اس کی اصلی وجہ کیا ہے؟ میں آپ سے عرض کروں گا کہ آپ اس بات کو اچھی طرح سے سوچئے۔ فرصت کے وقت سوچئے۔ گھر جا کر سوچئے۔ اپنے آپ بات سمجھ میں نہیں آتی تو کسی دوسرے سے پوچھئے اور پھر دیکھئے کہ کیا ہمیں کہیں سے اس بات کا اطمینان بخش جواب مل سکتا ہے کہ مسلمان دنیا میں جہاں بھی ہے ذلیل اور خوار کیوں ہے؟ مفلس اللہ

نادار کیوں ہے؟ دوسروں سے پیچھے کیوں ہے۔ غیروں کا محتاج کیوں ہے۔ ان کے در کا بھکاری کیوں ہے؟

اس سوال کا جواب آپ کو اور تو کہیں سے نہیں ملے گا لیکن اگر آپ مسجد میں خطبہ یا وعظ سنیں گے تو وہاں آپ کو یہ آواز سنائی دے گی کہ مسلمان اس لئے ذلیل اور خوار ہے کہ اس نے مذہب کو چھوڑ دیا ہے ــــ اور اسکی تفصیل یہ بتائی جائے گی کہ مغرب کی تعلیم نے قوم کو لامذہب بنا دیا ہے۔ یہ نماز نہیں پڑھتے۔ روزے نہیں رکھتے۔ سوٹڈ بوٹڈ رہتے ہیں۔ ڈاڑھی منڈاتے ہیں۔ کلبوں میں جاتے ہیں۔ وہاں ناچتے کودتے ہیں۔ ان کی بیویاں پردہ نہیں کرتیں۔ مکس اپ کرتی ہیں۔ سینما جاتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ کہنے والے تو یہ کچھ کہہ کر چلے جاتے ہیں لیکن میں آپ سے عرض کروں گا کہ آپ ٹھنڈے دل سے سوچئے کہ کیا مسلمانوں کی ذلت اور پستی کی وجہ یہی ہے جو ہمیں بتائی جاتی ہے؟ سب سے پہلے تو یہ دیکھئے کہ دنیا میں جو قومیں ہم سے آگے ہیں اور جن کے ہم محتاج رہتے ہیں۔ وہ سب یہی کچھ کرتی ہیں۔ انہوں نے بھی اپنے اپنے مذہب کو چھوڑ رکھا ہے۔ وہ بھی کلبوں میں جاتے ہیں۔ ناچتے کودتے ہیں۔ ان کی عورتیں بھی بناؤ سنگار کرتی ہیں۔ جیم خانوں میں جاتی ہیں پھر وہ ہم سے آگے کیوں ہیں؟ دوسری طرف یہ بھی دیکھئے کہ ہم میں بہت تھوڑے لوگ ہیں۔ جنہوں نے مذہب کو چھوڑ رکھا ہے۔ باقی سب مذہب کے پابند ہیں۔ وہ نماز پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں، ان کا لباس۔ وضع قطع سب مذہب کے مطابق ہیں۔ ان کی بیویاں پردہ کرتی ہیں۔ وہ نہ کلبوں میں جاتے ہیں نہ جیم خانوں میں۔ لیکن اس کے باوجود ان کی حالت بھی ویسی ہی ہے جیسی دوسرے مسلمانوں کی۔ مذہب کی پابندی نے ان کی حالت کو بہتر نہیں بنا دیا۔ بلکہ آپ غور سے دیکھئے تو صاف نظر آجائے گا کہ غریب لوگ مذہب کے زیادہ پابند ہوتے ہیں۔ لیکن مذہب کی پابندی ان کی حالت کو کبھی نہیں سنوارتی۔ وہ بدستور غریب اور نادار رہتے ہیں۔ مصیبتوں کی زندگی بسر کرتے اور تکلیفیں اٹھاتے ہیں۔ اس لئے میرے عزیز بھائیو! یہ تو اس اعتراض کا صحیح جواب نہیں۔

میں آپ سے پھر عرض کروں گا کہ آپ ان باتوں سے گھبرا نہ جائیے۔ ان سے غصہ نہ کھائیے۔ لاحول پڑھ کر نہ اٹھ جائیے۔ ان پر ٹھنڈے دل سے غور کیجئے۔ سوچئے اور پھر دیکھئے کہ کیا ہم کسی صحیح نتیجہ پر پہنچ رہے ہیں؟ آپ دیکھیں گے کہ ہمیں اس اعتراض کا کوئی اطمینان بخش جواب نہیں ملتا!

اب آپ آگے بڑھئے۔ اس اعتراض کا جواب اکثر لوگوں کی طرف سے آپ کو یہ ملیگا کہ یہ اعتراض ہی غلط ہے۔ اگر مسلمان غریب ہیں۔ ان کے پاس دولت اور قوت نہیں۔ وہ دنیا کی دوسری قوموں سے پیچھے ہیں۔ وہ کمزور ہیں۔ ان کے پاس کھانے کو روٹی۔ پہننے کو کپڑا۔ اور رہنے کو مکان نہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ذلیل اور پست ہیں۔ دنیا کی نظروں میں بے شک وہ ایسے ہی ہوں گے۔ لیکن وہ خدا کی نظروں میں ایسے نہیں۔ خدا کے نزدیک عزت اور ذلت کا معیار ہی دوسرا ہے۔ دنیا کا مال و دولت فتنہ ہے۔ جس قدر انسان اس فتنے سے دور رہے اسی قدر وہ خدا کا مقرب ہو جاتا ہے۔ سب سے زیادہ باخدا وہ ہے جو سب سے زیادہ دنیا سے نفرت کرے۔ دنیا مردار ہے اور اس کا طالب کتا۔ مومن دنیا میں

اس طرح رہتا ہے جس طرح جیل خانے میں قیدی۔ یہ دنیا کافروں کے لئے اور آخرت مسلمانوں کیلئے ہے۔ اگر انہیں اس چند روزہ دنیا میں تکلیفیں بھی پہنچتی ہیں تو کوئی بات نہیں۔ یہ اللہ کی طرف سے آزمائش ہے۔ وہ اپنے بندوں کی آزمائش کرتا رہتا ہے۔ جو ان تکلیفوں کو صبر شکر سے برداشت کر لیتا ہے وہ اس آزمائش میں پورا اترتا ہے۔ اس کے لئے آخرت میں جنت کا گھر ہے اور حقیقی زندگی ہے ہی آخرت کی۔ جس کی عاقبت سنور جائے سمجھ لو کہ اسے سب کچھ مل گیا۔ یاد رکھو! رزق خدا نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ وہ جس کی روزی چاہے تنگ کر دے۔ جسے چاہے خوش حال کر دے۔ وہ جسے چاہے عزت دے جسے چاہے ذلت دے۔ انسان کو ہر حال میں راضی برضا رہنا چاہیئے۔ جو شخص رزق کی تنگی۔ غریبی۔ محتاجی۔ مصیبت۔ تکلیف کا شکوہ کرتا ہے وہ خدا کے فیصلوں پر اعتراض کرتا ہے۔ وہ رضائے باری تعالیٰ پر نکتہ چینی کرتا ہے۔ بندے کو کیا حق ہے کہ اپنے مالک کے کسی فیصلے پر اعتراض کرے۔ جو کچھ اس کی طرف سے ملے انسان کو چاہیئے کہ اس پر مطمئن رہے۔ یہی اللہ کے نیک بندوں کی نشانی ہے۔ اس لئے یہ خیال کبھی دل میں نہیں لانا چاہیئے کہ چونکہ مسلمان غریب اور محتاج ہیں اس لئے یہ ذلیل اور خوار ہیں۔ غریبی اور محتاجی تو خدا کی رحمت ہے۔ یہ ہے وہ وعظ جسے ہم برادران عزیز! ہر مسجد اور منبر سے اپنے بچپن سے سنتے چلے آرہے ہیں۔ اور جسے آج بھی ہر واعظ دہراتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ واقعی اسلام کی تعلیم ہے؟ کیا قرآن شریف کا یہی حکم ہے۔ کیا خدا کا یہی منشا ہے کہ مسلمان غریب اور محتاج رہیں۔ کیا دنیا کی ذلت اور خواری خدا کے مقرب بندوں کی نشانی ہے۔ میرے عزیز دوستو! ہم اپنے دل سے ان سوالات کا جواب کچھ ہی کیوں نہ دے لیں لیکن قرآن شریف کی تو یہ تعلیم نہیں۔ خدا کا تو یہ حکم نہیں۔ اس کی تعلیم تو یہ ہے کہ سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ۔ زمین اور آسمان میں جو کچھ ہے اسے ہم نے تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے کہ تم اس سے کام لو۔ وہ سچے اور پکے مومنوں کی نشانی یہ بتاتا ہے کہ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ۔ ان کے لئے مغفرت ہے اور عزت کی روزی۔ وہ خدا کے دوستوں کے متعلق کہتا ہے کہ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ۔ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ۔ ان کے لئے اس دنیا کی زندگی میں بھی خوشخبری ہے اور آخرت کی زندگی میں بھی۔ یہ خدا کا قانون ہے جو کبھی بدل نہیں سکتا۔ وہ مومنوں کو دعا ہی یہ سکھاتا ہے کہ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً۔ اے ہمارے پروردگار! ——— ہمیں اس دنیا میں بھی خوشگوار زندگی عطا کر دے اور آخرت میں بھی خوشگوار زندگی۔ وہ واضح الفاظ میں کہتا ہے کہ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ——— جو لوگ نیک عمل کرتے ہیں ان کی اس دنیا کی زندگی بہت خوش حال ہو جاتی ہے۔ وہ ایمان اور اعمالِ صالح کا لازمی نتیجہ اس دنیا میں حکومت اور سلطنت قرار دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔ خدا نے وعدہ کر رکھا ہے

کہ تم میں سے جو لوگ ایمان لائیں گے اور اعمالِ صالح کریں گے وہ انہیں اسی دنیا میں حکومت عطا کرے گا۔ جس طرح اس نے ان سے پہلی قوموں کو حکومت عطا کی تھی۔ وہ اس دنیا میں جنتی زندگی کی علامت یہ بتاتا ہے کہ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى وَلَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى۔ اس میں نہ انسان بھوکا رہے نہ ننگا۔ نہ اسے پیاس کا خوف ہو نہ مکان کی تنگی۔

اس کے برعکس وہ واضح الفاظ میں کہتا ہے کہ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى۔ جو میرے احکام سے روگردانی کرے گا ہم اس کی روزی تنگ کر دیں گے اور وہ قیامت کے دن بھی اندھا اٹھایا جائے گا۔

برادرانِ عزیز! آپ اس آیت سے یوں ہی آگے نہ گزر جائیے۔ ذرا ٹھہر کر اس پر غور کیجئے۔ یہ سورہ طٰہٰ کی ایک سو چوبیسویں آیت ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے صاف الفاظ میں فرمایا ہے کہ جو لوگ خدا کے احکام سے روگردانی کرینگے ان کی روزی تنگ ہو جائے گی۔ اور وہ قیامت میں بھی اندھے ہی اٹھیں گے۔ آپ سوچ لیجئے کہ دنیا میں روزی کا تنگ ہو جانا کس قدر خدا کا عذاب ہے کہ جس سے انسان کی عاقبت بھی خراب ہو جاتی ہے۔ خدا سب کو اس عذاب سے محفوظ رکھے۔ دوسری جگہ اس نے کہا ہے کہ جو قوم کفرانِ نعمت کرتی ہے فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ۔ اللہ اسے بھوک اور خوف کے عذاب کا مزہ چکھاتا ہے۔ اور جس پر خدا کا عذاب آتا ہے اس کی نشانی یہ ہے کہ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ۔ وہ اس دنیا میں ذلیل و خوار ہو جاتا ہے۔ اس کے لئے عَذَابًا اَلِيْمًا فِي الدُّنْيَا ہوتا ہے۔ یعنی اس دنیا میں دردناک عذاب۔ اس نے بتایا ہے کہ جب بنی اسرائیل نے خدا کے احکام سے منہ موڑا تو ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ۔ ان پر ذلت اور خواری کا عذاب آگیا اور وہ خدا کے غضب کے مستحق ہو گئے۔

ان آیات سے آپ نے دیکھ لیا ہوگا، برادرانِ عزیز! کہ اس دنیا میں ذلت اور رسوائی کی زندگی خدا کا عذاب ہے۔ غریبی اور محتاجی، مفلسی اور ناداری، روزی کی تنگی، لباس اور مکان کی محتاجی ان لوگوں کے حصہ میں آتی ہے جن پر خدا کا غضب ہو۔ اس کے برعکس، خدا کے محبوب بندوں کو رزق کی فراوانی حاصل ہوتی ہے۔ انہیں ہر طرح کی خوشحالی میسر ہوتی ہے۔ عزت کی روٹی ملتی ہے۔ حکومت اور سلطنت حاصل ہوتی ہے۔ زمین اور آسمان کی قوتیں ان کے حکم کے نیچے ہوتی ہیں۔ وہ دنیا کی قوموں میں بڑی باعزت زندگی بسر کرتے ہیں حتیٰ کہ خداوند تعالیٰ نے کھلے کھلے الفاظ میں بتا دیا کہ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ غیر مسلم کبھی مسلمانوں پر غالب آجائیں۔ ان کے لئے خدا کا فیصلہ ہے کہ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ اگر تم مومن ہو تو پھر تم سب پر غالب رہو گے۔

لہٰذا یہ کہنا غلط ہے کہ خدا کے مقرب بندوں کی نشانی یہ ہوتی ہے کہ وہ دنیا میں غریبی اور مفلسی۔ محتاجی اور ناداری کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ خدا کے مقرب بندے عزت اور حکومت۔ غلبہ اور قوت۔ خوشحالی اور سربلندی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ یہ خدا کا فیصلہ ہے۔ اور خدا کے فیصلوں میں کبھی تبدیلی نہیں ہوا کرتی۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ کوئی قوم کسی حادثہ کی وجہ سے کسی وقت کمزور ہو جائے اور لوگ غریب اور محتاج ہو جائیں۔ لیکن کسی حادثہ کی وجہ سے ایسا ہو جانا اور بات ہے۔ اور کسی قوم کا مستقل طور پر ایسا ہو جانا اور پھر اس کا اس حالت پر مطمئن ہو کر بیٹھ جانا بلکہ اسے اللہ کی رحمت سمجھ لینا اور بات۔ مسلمان قومیں تو صدیوں سے اس حالت میں چلی آ رہی ہیں۔

میں نے جو کچھ آپ سے کہا ہے آپ برادران عزیز! اس پر نہایت ٹھنڈے دل سے غور کیجئے۔ سوچئے کہ یہ باتیں ٹھیک ہیں یا نہیں۔ اس کے بعد یہ سوال سامنے آئے گا کہ جب خدا کا حکم اور قرآن شریف کی تعلیم یہ ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ مسلمان خواہ دنیا کے کسی حصے میں بھی کیوں نہ ہوں، ذلت اور پستی۔ محتاجی اور مفلسی کی زندگی بسر کرتے ہیں اور ہر جگہ غیر مسلم ان پر غالب ہیں۔ اس سوال کا جواب میں آپ کی خدمت میں اگلی تقریر میں پیش کروں گا۔ اتنے میں آپ ان باتوں پر اچھی طرح غور و فکر کریں۔ اللہ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے کہ ہم اس کے احکام کو اچھی طرح سمجھیں۔ ان پر غور و فکر کریں۔ اور پھر ان کے مطابق عمل کر کے سچے مسلمان بن جائیں تاکہ ہم اس دنیا میں بھی عزت اور خوشحالی کی زندگی بسر کریں اور ہماری عاقبت بھی سنور جائے۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔ والسلام علیکم برادران عزیز!

دوسری تقریر

اس کا علاج کیا ہے؟

میرے عزیز بھائیو! السلام علیکم ورحمتہ اللہ

میں نے اپنی پہلی تقریر میں جو کچھ کہا تھا امید ہے آپ نے اس پر اچھی طرح غور کیا ہو گا۔ آپ کو یاد ہو گا کہ میں نے بتایا تھا کہ قرآن شریف نے واضح الفاظ میں کہا ہے کہ غریبی اور محتاجی خدا کا عذاب ہے۔ خوشحالی اور عزت کی زندگی اللہ کی رحمت۔ مسلمان نہ کسی غیر کا محکوم ہو سکتا ہے نہ اس کے زیر اثر۔ یہ آزاد ہوتا ہے اور سب پر غالب۔ لَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ۔ خدا کا ارشاد ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ایسا ہو نہیں سکتا کہ مومنین پر کافر غالب آ جائیں۔ اب آپ ساری دنیا کے مسلمانوں کی حالت پر غور کریں۔ آپ کو نظر آ جائے گا کہ یہ غریب بھی ہیں اور نادار بھی، کمزور بھی ہیں اور لاچار بھی۔ اور باتوں کو چھوڑیئے اس بات میں تو کسی بھی اختلاف

نہیں ہو سکتا کہ ہر جگہ ان کی حکومتیں کسی نہ کسی غیر مسلم طاقت کے زیر اثر ہیں۔ اب آپ سوچئے کہ ایک طرف ان کے خدا کا فرمان ہے کہ یہ ہو نہیں سکتا کہ غیر مسلم، مسلمانوں پر غالب آ جائیں اور دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ غیر مسلم ہر جگہ کسی نہ کسی رنگ میں مسلمانوں پر غالب ہیں۔ اب یا تو یہ ماننا پڑے گا کہ (معاذ اللہ۔ معاذ اللہ) جو کچھ خدا نے کہا تھا وہ غلط ہے۔ اور اگر وہ غلط نہیں ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ خدا کا فرمان کبھی غلط نہیں ہو سکتا۔ تو پھر ہم اس کے سوا کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکتے کہ حقیقی اسلام کے ماننے والے مسلمان آج دنیا میں کہیں نہیں۔ اس بات کے سننے سے ہمیں صدمہ ضرور ہوگا۔ لیکن جب یہ بات سچی ہے تو اسے بہر حال ماننا اور سننا ہی پڑے گا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہم سچے اسلام کے پیرو نہیں تو سچا اسلام کیا ہے اور ہم اس کے پیرو کس طرح ہو سکتے ہیں۔ بس اس ایک سوال کے صحیح جواب سے ساری بات صاف ہو جائے گی لیکن میں آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ اسے بڑے ہی غور سے سنیں اور سوچیں کہ جو کچھ آپ سے کہا جا رہا ہے اس میں کوئی غلطی تو نہیں۔

اس میں تو کسی کو بھی اختلاف نہیں ہو سکتا کہ اصلی اور سچا اسلام جناب نبی اکرمؐ اور صحابہ کرامؓ کے زمانے میں تھا۔ ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ وہ اسلام کس قسم کا تھا؟ کیونکہ جب تک ہمیں اس کا علم نہیں ہوتا کہ سچا اسلام کیا تھا اس وقت تک ہم سمجھ ہی نہیں سکتے کہ ہمارے اسلام میں کیا نقص ہے؟

سب سے پہلے یہ دیکھئے کہ اس وقت مسلمانوں میں کئی فرقے ہیں۔ شیعہ اور سنی۔ پھر سنیوں میں مقلد اور غیر مقلد پھر مقلدوں میں دیوبندی اور بریلوی وغیرہ۔ آپ ان فرقوں میں سے کسی سے یہ پوچھئے کہ کیا رسول اللہؐ کے زمانے میں ان میں سے کوئی فرقہ بھی موجود تھا؟ آپ دیکھیں گے کہ حضورؐ کے زمانے میں ان میں سے کوئی فرقہ بھی موجود نہیں تھا۔ سارے مسلمان ایک امت تھے۔ اور اس امت میں نہ کوئی شیعہ تھا نہ سنی۔ نہ حنفی تھا نہ وہابی۔ نہ اہل حدیث تھا نہ اہل فقہ۔ نہ دیوبندی تھا نہ بریلوی۔ سب مسلمان تھے۔ ان میں کوئی فرقہ پیدا ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ اس لئے کہ اسلام فرقوں کے اختلاف کو مٹانے کے لئے آیا تھا۔ قرآن شریف نے کھلے الفاظ میں کہہ دیا ہے کہ فرقہ بندی شرک ہے۔ سورہ روم کی اکتیسویں، بتیسویں آیت میں ہے وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ۔ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا۔ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ۔ مسلمانو! دیکھنا۔ تم توحید پرست ہو جانے کے بعد، پھر سے مشرک نہ بن جانا۔ یعنی ان لوگوں میں سے نہ ہو جانا۔ جنہوں نے اپنے دین میں فرقے پیدا کر لئے اور خود بھی ایک فرقہ بن کر بیٹھ گئے۔ فرقہ بندی میں حالت یہ ہو جاتی ہے کہ ہر فرقہ سمجھتا ہے کہ میں بالکل سچائی پر ہوں۔ باقی سب کا مذہب غلط ہے۔ برادران عزیز! یہ آیت بالکل واضح ہے۔ اس کے سمجھنے میں کسی قسم کی مشکل نہیں۔ اس وقت آپ کے پاس قرآن شریف نہیں ہوگا۔ آپ اس کا حوالہ نوٹ کر لیں اور گھر جا کر خود دیکھ لیں کہ اس آیت کا ترجمہ اور مطلب کیا ہے؟ اس کا حوالہ لکھ لیں۔ سورہ روم۔ آیات اکتیس اور بتیس۔ اور دیکھئے

سورۂ انعام کی آیت ایک سو ساٹھ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہؐ سے فرمایا کہ اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَھُمْ وَ کَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْھُمْ فِیْ شَیْءٍ جن لوگوں نے اپنے دین میں فرقے پیدا کر لئے اور خود بھی ایک گروہ بن کر بیٹھ گئے۔ اے رسول! تیرا ان سے کوئی واسطہ نہیں۔ اس آیت کا حوالہ بھی نقل کر لیں اور گھر جا کر قرآن شریف نکال کر دیکھ لیں۔ حوالہ ہے سورہ انعام۔ آیت ایک سو ساٹھ۔ ایک اور آیت دیکھئے۔ سورۂ آلِ عمران آیت ایک سو چار میں ہے۔ وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَھُمُ الْبَیِّنٰتُ وَاُولٰٓئِکَ لَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ اے مسلمانو! دیکھنا تم کہیں ان لوگوں جیسا نہ ہو جانا جو دین کی واضح تعلیم آجانے کے بعد فرقوں میں بٹ گئے اور آپس میں اختلاف کرنے لگ گئے۔ ان لوگوں کے لئے بہت بھاری عذاب ہے۔ اس کا بھی حوالہ لکھ لیجئے۔ سورہ آلِ عمران آیت ایک سو چار۔

برادرانِ عزیز! جو کچھ میں نے کہا ہے اس پر ایک بار پھر غور کر لیجئے۔ میں نے کہا یہ ہے کہ

(۱) رسول اللہؐ کے زمانے میں مسلمانوں میں کوئی فرقہ نہیں تھا۔ ایک اُمت تھی جس میں کوئی اختلاف نہیں تھا۔

(۲) قرآن شریف نے واضح الفاظ میں کہا کہ فرقہ بندی شرک ہے۔ اس نے مسلمانوں سے تاکیداً کہا ہے کہ دیکھنا! کہیں فرقوں میں نہ بٹ جانا۔ اگر تم نے ایسا کیا تو تم پر خدا کا بھاری عذاب آجائے گا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے رسول اللہؐ سے واضح الفاظ میں کہا کہ جو لوگ فرقوں میں بٹ جائیں ان سے آپ کا کوئی واسطہ نہیں۔

یہ تھا وہ اسلام جو قرآن مجید نے پیش کیا اور جس پر نبی اکرمؐ کے زمانے کے مسلمانوں نے عمل کیا۔ اس کے مقابلہ میں آج ہمارا اسلام ہے جس سے مسلمان اتنے فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ آپ سوچئے کہ یہ اسلام اور حضور نبی اکرمؐ کے زمانہ کا اسلام ایک ہی ہو سکتا ہے۔ کبھی نہیں ہو سکتا۔ جس اسلام میں فرقے ہوں وہ سچا اسلام کبھی نہیں ہو سکتا۔ اگر دین کے معاملہ میں مسلمانوں میں باہمی اختلاف ہو تو وہ سچے مسلمان ہو نہیں سکتے۔ اختلاف خدا کا عذاب ہے۔ اس کا نتیجہ ذلت و خواری ہے۔

میں جانتا ہوں کہ یہ کچھ سننے کے بعد آپ کو بڑا غصہ آئے گا۔ اس لئے کہ آپ کا بھی کوئی نہ کوئی فرقہ ہے لیکن میرے عزیز بھائیو! اس میں غصہ ہونے کی کوئی بات نہیں۔ میں نے قرآن شریف کی آیات آپ کے سامنے پیش کی ہیں۔ ان کے حوالے لکھا دئیے ہیں۔ آپ خود قرآن شریف کھول کر دیکھ لیجئے۔ اگر اس میں یہی کچھ لکھا ہو تو پھر غصے ہونے کی بجائے ٹھنڈے دل سے سوچئے کہ جس اسلام میں فرقے موجود ہوں وہ اسلام کبھی بھی وہ دین ہو سکتا ہے جسے نبی اکرمؐ نے پیش فرمایا تھا؟ اور اگر ہمارا آج کا اسلام وہ اسلام نہیں تو پھر اس کے نتائج وہ کیسے نکل سکتے ہیں جو نتائج اصلی اور حقیقی اسلام نے پیدا کئے تھے۔

لیکن میں جانتا ہوں کہ آپ اپنے آپ کو کس طرح مطمئن کر لیں گے۔ آپ دل میں یہ کہہ لیں گے کہ ہمارا فرقہ باطل

سچا ہے۔ دوسرے فرقے جھوٹے ہیں۔ لیکن آپ سوچئے کہ آپ، جتنے حضرات اس وقت یہاں تشریف رکھتے ہیں ان میں سے ہر ایک یہی کہہ کر اپنے آپ کو مطمئن کر لے گا کہ میرا فرقہ سچا ہے۔ باقی فرقے جھوٹے ہیں۔ یہ وہی بات ہے جسے قرآن شریف نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ فرقہ بندی میں ہوتا ہی یہ ہے کہ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ہر فرقہ والا مطمئن ہوتا ہے کہ میں سچائی پر ہوں باقی سب جھوٹے ہیں۔

میرے بھائیو! بات اِس فرقے اور اُس فرقے کی ہے ہی نہیں۔ جب تک مسلمانوں میں فرقے موجود ہیں وہ سچے اسلام پر ہو ہی نہیں سکتے۔ یہ سچے اسلام پر اس دن ہوں گے جس دن یہ فرقوں میں بٹے ہوئے ہونے کی بجائے ایک امت بن جائیں گے۔ رسول اللہ کے زمانے میں کوئی فرقہ نہیں تھا۔ ایک امت تھی۔ رسول اللہ کے زمانے کا اسلام اسی صورت میں پھر سے واپس آ سکتا ہے جب تمام مسلمان ایک امت بن جائیں۔ جب ان میں کوئی فرقہ باقی نہ رہے۔ قرآن شریف میں ہے کہ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ۔ خدا نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔ صرف مسلمان۔ شیعہ۔ سنی۔ حنفی۔ اہل حدیث یا بدی۔ بریلوی۔ سب ہمارے اپنے رکھے ہوئے نام ہیں۔ جب تک ہم ان ناموں کو چھوڑ کر، صرف مسلم نہیں کہلاتے ہم سچے اسلام کے پیرو نہیں کہلا سکتے۔ یہ برادرانِ عزیز! میرا فیصلہ نہیں۔ خدا کا فیصلہ ہے۔ اس نے ہمارا نام مسلم رکھا تھا۔ رسول اللہ کے زمانہ میں مسلمان صرف مسلم کہلاتے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی شیعہ، سُنّی۔ حنفی۔ اہل حدیث نہیں کہلاتا تھا۔

میں جانتا ہوں کہ اس وقت آپ میں سے اکثر حضرات اس سے متفق ہیں کہ واقعی مسلمانوں میں فرقے نہیں ہونے چاہئیں۔ فرقہ بندی کی لعنت نے ہمیں تباہ کر دیا ہے۔ لیکن جب آپ اور لوگوں سے یہ باتیں کریں گے۔ بالخصوص مولوی صاحبان سے۔ تو وہ کہیں گے کہ ذرا سوچو تو سہی۔ کیا یہ کسی طرح ممکن بھی ہے کہ مسلمانوں کے فرقے مٹ جائیں۔ یہ ناممکن ہے۔ مسلمانوں میں فرقے پیدا ہو چکے ہیں۔ اب ان کا مٹانا کسی کے بس کی بات نہیں ——— یہ کسی کے مٹائے بھی مٹ نہیں سکتے۔ آپ یہ باتیں سنیں گے تو آپ کے دل پر یہ اثر ہو گا کہ یہ ٹھیک ہے کہ فرقہ بندی بُری چیز ہے لیکن جب ہم میں فرقہ بندی آ چکی ہے تو اس کا کیا علاج! اب جس طرح ہو رہا ہے اسی طرح ہوتے رہنا چاہیئے۔ فرقہ بندی کوئی آج کی چیز تھوڑی ہے۔ یہ تو شروع سے چلی آ رہی ہے۔ بس، اتنا کرنا چاہیئے کہ فرقے آپس میں لڑیں جھگڑیں نہیں۔ اللہ اللہ خیر سلاّ۔

یہ باتیں بظاہر بڑی اچھی نظر آتی ہیں لیکن ذرا سوچئے کہ اس سے اسلامی نقطۂ نگاہ سے پوزیشن کیا ہو جاتی ہے۔ ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ ارشادِ خداوندی کے مطابق، فرقہ بندی شرک ہے۔ فرقوں میں بٹنے والوں سے رسول اللہ کا کوئی واسطہ نہیں رہتا۔ حضورؐ کے زمانے میں مسلمانوں میں کوئی فرقہ نہیں تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ اسلام اور فرقہ بندی دو متضاد چیزیں ہیں۔ اب اگر یہ مان لیا جائے کہ مسلمانوں میں جو فرقے پیدا ہو چکے ہیں یہ مٹ

نہیں سکتے۔ اس لئے انہیں اس طرح رہنے دیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اب صحیح اسلام دنیا میں دوبارہ آ ہی نہیں سکتا۔ پہلی امتوں میں اگر ایسی صورت پیدا ہو جاتی تھی تو یہ امید کی جا سکتی تھی کہ ایک اور نبی آکر حالات سنوار دے گا۔ لیکن حضور خاتم النبیینؐ کے بعد نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ اس لئے اب کوئی نبی بھی نہیں آ سکتا۔ لہٰذا صحیح اسلام کے دوبارہ زندہ ہونے کی کوئی صورت ہی باقی نہ رہی۔ یہ تو بڑی مایوس کن بات ہے۔ اور خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ مایوسی کفر ہے۔ اس لئے یہ ہو نہیں سکتا کہ اسلام اپنی حقیقی شکل میں دوبارہ زندہ نہ ہو سکے۔ لہٰذا ہمیں یہ بات قطعاً نہیں کہنی چاہیئے کہ مسلمانوں کے فرقے مٹ نہیں سکتے۔ اور ان میں دوبارہ وحدت پیدا ہو نہیں سکتی۔ فرقے مٹ سکتے ہیں اور حقیقی اسلام دنیا میں دوبارہ زندہ ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ ہم چاہیں کہ ایسا ہو جائے۔

یہاں سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ اختلافات مٹ کس طریق سے سکتے ہیں۔ اس کے لئے ہمیں قرآن شریف نے پوری پوری راہ نمائی دی ہے۔ اس نے سب سے پہلے کہا ہے کہ وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ۔ تمہارا جس بات میں بھی اختلاف ہو اس کا فیصلہ تم خدا سے لیا کرو۔ یہ سورۂ شوریٰ کی دسویں آیت ہے۔ خدا سے فیصلہ لینے سے مطلب یہ ہے کہ اس کی کتاب۔ یعنی قرآن شریف سے فیصلہ لے لو۔ قرآن شریف نازل ہی اس لئے کیا گیا ہے کہ یہ اختلافات کو مٹائے۔ سورۂ نحل میں ہے۔ وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ (۱۶/۶۴) ہم نے اس کتاب کو تجھ پر نازل ہی اس لئے کیا ہے کہ تو اس کے ذریعے ان تمام باتوں کو واضح کر دے جن میں یہ لوگ اختلاف کرتے ہیں۔ خود قرآن شریف کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ ۚ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا۔ (۴/۸۲)۔ کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے۔ اگر یہ خدا کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یہ اس میں بہت سے اختلافات پاتے۔ یعنی قرآن شریف کے من جانب اللہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس میں کوئی اختلافی بات نہیں۔ یہ سورۂ نساء کی بیاسویں آیت ہے۔ ان آیات سے واضح ہے کہ قرآن کریم میں کوئی اختلافی بات نہیں اور یہ تمام اختلافات کو مٹا سکتا ہے۔ اس لئے اختلافات مٹانے کا طریق یہ ہے کہ ہر اختلافی معاملے کے متعلق قرآن شریف سے فیصلہ لیا جائے کہ کون حق پر ہے کون باطل پر۔

میں جانتا ہوں کہ اس وقت آپ کے دل میں کیا خیال پیدا ہو رہا ہے۔ آپ یہ سوچتے ہیں کہ ہر ایک فرقہ یہی کہتا ہے کہ ہم قرآن شریف کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ پھر اس بات کا فیصلہ کون کرے گا کہ کون سی بات قرآن شریف کے مطابق ہے اور کون سی اس کے خلاف۔ اگر اس سوال کا تسلی بخش جواب مل جائے تو پھر سارا مسئلہ حل ہو جاتا ہے اس کے لئے آپ ذرا نبی اکرمؐ کے زمانۂ مبارک پر نگاہ ڈالئے۔ آپ دیکھیں گے کہ اس زمانے میں لوگ اپنے اپنے طور پر

اس بات کا فیصلہ نہیں کر لیتے تھے کہ فلاں بات قرآن شریف کے مطابق ہے یا نہیں۔ نہ ہی اس زمانے میں مولوی صاحبان ہوتے تھے جن سے پوچھ لیں کہ کون سی بات قرآن شریف کے مطابق ہے۔ اس زمانے میں رسول اللہ فیصلہ فرما دیتے تھے کہ کون سی بات قرآن شریف کے مطابق ہے اور کون سی اس کے خلاف ہے۔ حضور فیصلہ صادر فرما دیتے تھے اور سب مسلمان اس فیصلے کو تسلیم کر لیتے تھے۔ اس طرح ان میں کوئی اختلاف ہوتا تھا اور نہ ہی کوئی فرقہ پیدا ہوتا تھا۔ سب مسلمان ایک طریقے پر چلتے تھے۔

آپ کہیں گے کہ حضورؐ تو خدا کے رسول تھے۔ ان کی زندگی میں ایسا ہوا۔ اس کے بعد کیا ہوا، آپ کو معلوم ہے کہ نبی اکرمؐ نے ایک مملکت قائم کی تھی۔ عرب کا سارا ملک اس مملکت کے اندر تھا۔ حضورؐ کی وفات کے بعد، حضورؐ کے جانشین، حضرت ابوبکرؓ صدیق اس مملکت کے خلیفہ مقرر ہوئے۔ خلیفہ کے معنی ہیں جانشین۔ جو کچھ اپنی زندگی میں رسول اللہ کرتے تھے وہی کچھ حضورؐ کے بعد، حضورؐ کے خلیفہ کرتے تھے۔ یعنی اس وقت لوگ اپنے اپنے طور پر فیصلہ نہیں کر لیتے تھے کہ فلاں بات قرآن شریف کے مطابق ہے یا نہیں۔ جو معاملہ بھی سامنے آتا، خلیفۃ المسلمین اس کے متعلق فیصلہ کر دیتے کہ قرآن شریف کے مطابق کیا کرنا چاہیئے۔ اس فیصلہ کو اس مملکت کے قانون کی حیثیت سے نافذ کیا جاتا جس کی پابندی ہر ایک پر لازم ہوتی۔ اس طرح امت میں وحدت کا وہی سلسلہ قائم رہا جو خود نبی اکرمؐ کے زمانے میں قائم ہوا تھا۔ اس طریق حکومت کو خلافت علیٰ منہاج نبوت کہتے ہیں۔ یعنی رسول اللہ کے طریقے کے مطابق، حکومت ۔۔۔ جب تک یہ سلسلہ قائم رہا امت میں وحدت رہی۔ کچھ عرصے کے بعد، ہماری بدقسمتی سے یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی امت میں اختلافات پیدا ہونے شروع ہو گئے۔ یہ اختلافات اب تک جاری ہیں۔ اس کا نام فرقہ بندی ہے۔

برادرانِ عزیز! امید ہے اب آپ نے سمجھ لیا ہوگا کہ امت میں فرقے کس طرح سے پیدا ہوئے اور اب فرقے کس طرح مٹ سکتے ہیں۔ فرقے پیدا ہوئے اس حکومت کے نہ رہنے سے جسے خلافت علیٰ منہاج نبوت کہا جاتا ہے۔ اب اگر اسی قسم کی حکومت پھر سے قائم ہو جائے تو ظاہر ہے کہ امت میں پھر سے وحدت پیدا ہو جائے گی۔

آپ کہیں گے کہ اس طرح کی حکومت کس طرح سے قائم ہو سکتی ہے یہ بات کچھ مشکل نہیں۔ اگر مسلمانوں کی کوئی حکومت اس بات کا اعلان کر دے کہ ہمارا ہر قانون، قرآن شریف کے مطابق ہوگا اور ہم کوئی فیصلہ قرآن شریف کے خلاف نہیں کریں گے تو اس قسم کی حکومت کی بنیاد رکھ دی جائے گی۔ یہ حکومت آہستہ آہستہ ملک کے قوانین کو قرآن شریف کے مطابق بنا لے گی۔ اور چونکہ ان قوانین کا ماننا تمام مسلمانوں پر لازم ہوگا اس لئے ان کے اختلافات بھی آہستہ آہستہ مٹتے جائیں گے۔ میری آرزو برادرانِ عزیز! یہ ہے کہ پاکستان میں اس قسم کی حکومت قائم ہو جائے۔ اس کے لئے میں پہلے دن سے کوشش کر رہا ہوں اور یہی طلوع اسلام کی دعوت ہے۔

اس قسم کی حکومت کا کام اتنا ہی نہیں ہوتا کہ وہ مسلمانوں کے اختلافات مٹا کر ان میں وحدت پیدا کرے۔ اس کا بنیادی فریضہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ایسا انتظام کرے کہ ملک میں کوئی شخص نہ بھوکا رہے نہ ننگا۔ نہ بغیر کپڑے کے رہے نہ مکان کے بغیر۔ نہ کوئی مریض علاج کے بغیر رہے اور نہ کوئی بچہ تعلیم کے بغیر۔ ان تمام باتوں کا انتظام حکومت کے ذمے ہو۔ جو حکومت ان باتوں کا ذمہ لیتی ہے اس کو حق حاصل ہے کہ اپنے آپ کو اسلامی حکومت کہے۔ اسلامی حکومت کے متعلق حضور نبی اکرمؐ کا یہ ارشاد کس قدر واضح ہے جس میں حضورؐ نے فرمایا ہے کہ

"اگر کسی بستی میں کوئی شخص بھوکا سو جائے اور اس پر اسی حالت میں رات گزر جائے تو اللہ تعالیٰ اس بستی کو محفوظ رکھنے کی ضمانت کو ختم کر دیتا ہے۔"

حضرت عمرؓ نے تو یہاں تک فرما دیا تھا کہ

اگر دجلہ کے کنارے کوئی کتا بھی بھوک سے مر جائے تو خدا کی قسم عمرؓ سے اس کی باز پرس ہو گی۔

میری کوشش برادران عزیز! یہی ہے کہ پاکستان میں اس قسم کی حکومت قائم ہو جس میں کوئی قانون قرآن شریف کے خلاف نہ بنے۔ جس میں کوئی شخص رات کو بھوکا نہ سوئے۔ جس میں ہر ایک کو پہننے کو کپڑا اور رہنے کو مکان میسر ہو۔ جس میں قوم کے تمام بچوں کی تعلیم مفت ہو۔ جس میں ہر بیمار کا علاج مفت ہو۔ جس میں انصاف بلا قیمت ملے اور ہر ایک کے ساتھ ایک جیسا سلوک ہو۔ جس میں غریب کی ایسی ہی عزت ہو جیسی اس وقت امیروں کی عزت ہوتی ہے۔ جس میں رشوت، چور بازاری۔ دھاندلی۔ بے انصافی ختم ہو جائے۔ جس میں بے حیائی۔ فحش کاری قانوناً بند ہو جائے۔ جس میں ہر ایک کی عزت۔ آبرو۔ جان۔ مال سب کچھ محفوظ ہے۔ جس میں شریف عورتوں پر کوئی آوازے نہ کسے۔ کسی عورت کو باہر نکلتے ہوئے کسی قسم کا ڈر اور خوف نہ ہو۔ ہر ایک چین سے دن گزارے اور اطمینان کی نیند سوئے۔ غرضیکہ ہر ایک کو وہ حقوق ملیں جو اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کو دینا چاہتا ہے۔ یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ ملک میں قرآن کریم کے مطابق حکومت قائم ہو۔ اس سے ہم پھر سے پکے مسلمان بن سکتے ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہ ہے کہ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ۔ جو لوگ خدا کی کتاب کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے تو انہی کو کافر کہا جاتا ہے۔ اس آیت کا حوالہ ہے سورہ مائدہ آیت چوالیس۔ آپ اپنے گھر کا قرآن شریف نکال کر اس آیت کو خود دیکھ لیجئے گا۔

اس مقام پر میں سمجھتا ہوں کہ آپ کے دل میں یہ سوال ضرور پیدا ہو گا کہ جو باتیں میں نے کہی ہیں ان میں کوئی چیز بھی قابل اعتراض نہیں۔ پھر میری اس قوم مخالفت کیوں ہو رہی ہے۔ یہ سوال آپ کے دل میں ضرور پیدا ہونا چاہیئے۔ لیکن اگر آپ ذرا غور سے کام لیں گے تو اس کا جواب بھی آپ کو آسانی سے مل جائے گا۔

آپ نے دیکھا ہو گا کہ ایک خالص اسلامی حکومت میں فرقے باقی نہیں رہتے۔ اور جب فرقے نہیں رہتے تو مذہبی

پیشوائیت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ نبی اکرمؐ کے عہد ہمایوں اور خلافت راشدہ میں نہ فرقے تھے نہ مذہبی پیشوائیت تھی۔ میں پاکستان میں اسی قسم کی حکومت قائم کرنے کی تبلیغ کرتا ہوں۔ یہ حضرات میری مخالفت تو اس لئے کرتے ہیں کہ میں اس قسم کی اسلامی حکومت کی دعوت کیوں دیتا ہوں، جس میں مذہبی پیشوائیت باقی نہیں رہتی۔ لیکن ایسا برملا کہنے کی جرأت نہیں کرتے۔ اور طرح طرح کی غلط باتیں میری طرف منسوب کر کے عوام کے جذبات کو مشتعل کرتے رہتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ یہ حدیث کا منکر ہے حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ میں حدیث کا منکر نہیں۔ میں ہر اس حدیث کو جو نہ قرآن مجید کے خلاف جائے اور نہ ہی اس سے حضور نبی اکرمؐ کی شانِ اقدس یا صحابہ کبارؓ کے خلاف طعن پڑتا ہو صحیح سمجھتا ہوں۔ کبھی کہتے ہیں کہ یہ تین نمازیں اور تیس روزوں کے بعد یہ کہتا ہے۔ یہ بھی غلط ہے، میں بار بار اعلان کر چکا ہوں کہ امت کے مختلف فرقے جس جس طریق سے نماز۔ روزہ وغیرہ ادا کرتے چلے آئے ہیں اس میں کسی قسم کی تبدیلی کرنے یا کوئی نیا طریقہ وضع کرنے کا حق کسی فرد کو نہیں۔ ان حضرات کو ان تمام باتوں کا علم ہے لیکن یہ اس کے باوجود میرے خلاف جھوٹا پراپیگنڈہ کئے جاتے ہیں۔ میں اس کا کیا علاج کر سکتا ہوں۔

بہرحال یہ ہے برادرانِ عزیز! میری دعوت۔ یعنی میں چاہتا ہوں کہ سب سے پہلے پاکستان میں اور پھر دوسرے اسلامی ملکوں میں ایسی حکومت قائم ہو جائے جس میں کوئی قانون قرآن شریف کے خلاف نہ ہو۔ جس میں امت میں وحدت پیدا ہو جائے۔ جس میں کوئی شخص اپنی بنیادی ضروریات زندگی ـــ روٹی۔ کپڑا۔ مکان۔ علاج تعلیم وغیرہ سے محروم نہ رہے۔ جس میں کوئی کسی کا محتاج نہ ہو۔ جس میں کوئی کسی کو دبا اور ستا نہ سکے۔ جس میں ہر شخص کی عزت ہو۔ جس میں ہر شخص کی جان۔ مال۔ آبرو۔ عصمت محفوظ ہو۔ جس میں ہر شخص کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا کئے ہیں۔ اگر یہاں ایسی حکومت قائم ہو جائے تو ہم دنیا میں سر اٹھا کر چلنے کے قابل ہو جائیں گے۔ دنیا کی قوموں میں ہمارا مقام بلند ہو جائے گا۔ اور آخرت میں بھی ہم خدا کے حضور سرخرو جائینگے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔

آخر میں میں آپ سب حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے میری ان گزارشات کو توجہ سے سنا اگر آپ اس باب میں کچھ اور معلوم کرنا چاہیں تو خط لکھ کر یا خود تشریف لا کر مجھ سے معلوم کر لیں۔ میرا پتہ ہے:-

پرویز - ۲۵ - بی - گلبرگ - لاہور۔ والسلام۔

اگر آپ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ

(۱) وہ اسلام کیا تھا جسے نبی اکرمؐ نے دُنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔

(۲) وہ اسلام کس طرح علم و عقل کے معیار پر پورا اُترتا، اور ہمارے زمانے کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔

(۳) اس اسلام سے کس طرح "مذہب" سے بیزار نوجوان دین کا گرویدہ ہو جاتا ہے۔

تو تین باتیں کیجئے

ایک —— ہر اتوار کی صبح ۲۵ بی گلبرگ۔ لاہور میں پرویز صاحب کا درس قرآن ہوتا ہے، اس میں شریک ہو جئے۔

دو —— ماہنامہ طلوع اسلام کا باقاعدہ مطالعہ کیجئے۔ یہ ۲۵ بی گلبرگ سے شائع ہوتا ہے۔

تین —— پرویز صاحب کی کتابیں پڑھیئے، ان کے لئے

میزان پبلیکیشنز لمیٹڈ (۲۷ بی)

شاہ عالم مارکیٹ سے ایک کارڈ لکھ کر فہرست منگا لیجئے۔

محترم شاہد حسین رزاقی

پیری مریدی سرسیّد کی نظر میں

سرسیّد احمد خان کے زمانے میں ہندوستان کے مسلمان انتہائی زوال پذیر ہو گئے تھے۔ اور دینی، اخلاقی، تعلیمی معاشرتی، سیاسی اور اقتصادی ہر قسم کی خرابیوں اور پستیوں نے پوری قوم کی حالت اس قدر بگاڑ دی تھی کہ ان کی اصلاح کئے بغیر اس ملک میں اسلام اور مسلمانوں کا باقی رہ جانا ناممکن نظر آتا تھا۔ سرسیّد بڑے دور اندیش حقیقت پسند اور عملی انسان تھے انہوں نے آنے والے خطرات کا صحیح اندازہ کر لیا مسلمانوں کی زندگی کے مختلف شعبوں میں انفرادی اور اجتماعی طور پر جو برائیاں پیدا ہو گئی تھیں ان کی نوعیت اور اسباب معلوم کئے اور ان تمام خرابیوں کو دور کر کے اپنی قوم کے مستقبل کو بہتر بنانے کی عملی جدوجہد شروع کر دی۔

سرسیّد کی ان اصلاحی کوششوں میں مسلمانوں کی دینی و اخلاقی اصلاح کی خاص اہمیت تھی۔ کیونکہ مسلمانوں نے رفتہ رفتہ ایسے عقائد و نظریات اختیار کر لئے تھے جو درحقیقت اسلامی مقاصد کے خلاف تھے۔ مگر اسلام کی صحیح تعلیمات سے ناواقفیت کی وجہ سے اکثر مسلمان ان غیر اسلامی عقائد کو دین کے اہم اصول تصور کرتے تھے۔ ہندوستان کی دوسری قوموں کے عقائد و نظریات، رسوم و رواج اور توہمات سے ہندی مسلمان اس قدر متاثر ہوئے تھے اور ان کی زندگی میں غیر اسلامی نظریات اس قدر سرایت کر چکے تھے کہ اس ملک میں اسلام کو خود مسلمانوں کے طرز عمل سے شدید خطرہ لاحق ہو گیا تھا اور سرسیّد اس حقیقت کو خوب محسوس کرتے تھے کہ اسلام اور مسلمانوں کی بقا و تحفظ کے لئے ان خطرات کو دور کرنا لازمی ہے جو اسلام سے دوری اور غیر اسلامی اثرات کی وجہ سے پیدا ہو گئے ہیں۔

اس زمانے میں پیری مریدی کے طریقہ میں کس قدر خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں اور پیروں کی حالت کس قدر افسوسناک تھی اس کا اظہار سرسیّد نے مختلف تحریروں اور تقریروں میں کیا ہے۔ اور اپنی ایک تحریر میں انہوں نے مشائخ، علماء کی بابت اپنے خیالات ظاہر کر کے ان کا جو نقشہ کھینچا ہے اس سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس طبقہ کا کیا حال تھا اور سرسیّد ان لوگوں کے مخالف کیوں تھے؟ انہوں نے یہ کیفیت بڑے دلچسپ انداز میں یوں بیان کی ہے "میں وقت کہ پیر صاحب یا مولوی صاحب

کے گرد ان کے معتقدین کا حلقہ ہوتا ہے۔ اور حجر اسود کی مانند ان کے دست مبارک کو بوسہ دینے کو لوگ دوڑتے ہیں تو ان کا دست مبارک یمین الرحمٰن سے بھی بالا دست ہو جاتا ہے۔ مولوی صاحب! حضرت صاحب کی آواز کا چاروں طرف سے ان کے کانوں میں آنا جاہ و حشمِ کسریٰ و کیقباد کی آواز سے بھی قوی اثر ان کے دل پر ڈالتا ہے۔ مسکینی و انکسار ان کو آسمان پر چڑھاتی جاتی ہے۔ اس لئے وہ اور زیادہ مسکین اور منکسر ہوتے جاتے ہیں۔ سادہ وضعی پر لوگ فریفتہ ہوتے ہیں اس لئے وہ اور سادہ بنتے جاتے ہیں۔ دنیا سے نفرت ان کو دنیا دلاتی ہے اس لئے وہ دنیا سے زیادہ نفرت کرنے لگتے ہیں۔ بے طلبی حاجت سے زیادہ بغیر محنت کے درہم و دینار دلا دیتی ہے۔ اس لئے وہ زیادہ بے طمع ہوتے جاتے ہیں۔ ان کی ہر ایک بات پر لوگ آمنا و صدقنا کہتے ہیں اس لئے ان کے دل میں دوسرے کی بات کی حقارت جمتی جاتی ہے۔ ہاتھوں کو چھواتے چومتے ہر ایک مشکل کے حل کی دعائیں منگواتے منگواتے ہر ایک مسئلہ کا فتویٰ دیتے دیتے ایک اور بیماری ان میں پیدا ہو جاتی ہے جس کے باعث برائی بھلائی دوزخ و بہشت، کفر و ایمان کی کنجی وہ اپنے ہاتھ میں سمجھنے لگتے ہیں۔ کسی کو کافر بنا دیتے ہیں اور کسی کو مرتد۔ کسی کو جہنم دیتے ہیں اور کسی کو بہشت۔ کبھی خازن جنت ہیں اور کبھی مالک جہنم۔ دل میں خدا کے نور کے بھر جانے کے خیال سے ظلمت پر ظلمت میں پڑتے ہیں۔ یہ تمام باتیں مل ملا کر حضرت کو ایک ایسا شخص بنا دیتی ہیں جو پھول پھلا کر کُپّا ہو جاتا ہے۔ نہ کان رہتے ہیں جو کچھ سنیں، نہ آنکھیں رہتی ہیں جو کچھ دیکھیں۔ نہ منہ رہتا ہے جو حق بات کہیں۔ جو سرور اور دلی آسائش اور دل کے پھولنے سے بجز اس فرقہ کو آتا ہے نہ کسی دنیادار کو میسر ہوتا ہے نہ کسی دولت مند کو اور نہ کسی صاحب تخت و سلطنت کو۔ وہ زبان سے اپنے تئیں گنہگار کہتا ہے مگر اس کا دل اس کو جھٹلاتا رہتا ہے۔ اس کہنے کو بھی وہ ایک نیکی اور تعلّی سمجھتا ہے۔ اپنی چال ڈھال شریعت کے موافق بناتا ہے۔ مگر اس کا دل روز بروز سیاہ ہوتا جاتا ہے۔ ازار کے دو انگل نیچے ہونے، ڈاڑھی کے لمبی یا ایک مشت و دو انگشت ہونے، کپڑے کو نجاست سے پاک کرنے، پانی کے پاک ناپاک ہونے پر وہ دن رات بحث کرتا ہے۔ بڑے بڑے فتوے لکھتا ہے۔ مگر دل کو نجاستوں سے پاک کرنے کا خیال بھی نہیں کرتا۔ اکل حلال اور صدق مقال پر بڑے بڑے وعظ کہتا ہے مگر جب کوئی لقمۂ تر آ جائے تو جھٹ نگل جاتا ہے۔ اور اگر کبھی اگل دیتا ہے تو اس امید پر کہ اس سے بھی زیادہ لقمۂ تر بہتر آوے گا۔"

پیری مریدی کے طریقے نے ایک اور تیسرا اثر یہ ڈالا کہ پیروں نے اپنی بزرگی اور برتری جتانے کے لئے اپنی رفتار و گفتار و نشست و برخاست غرض کہ پوری زندگی کو ایک ڈھکوسلا بنا لیا اور ان میں انتہائی رعونت پیدا ہو گئی۔ جس کو سر سید نے اس طرح بیان کیا ہے کہ "جو وقت حضرت کے باہر تشریف لانے کا ہے اس کے سوا اور وقت تشریف لانے ہی کے نہیں اور جو وقت آپ کی بات کرنے کا ہے اس کے سوا بات کرنے ہی کے نہیں۔ جو دن کہ اپنے مریدوں اور معتقدوں کے جمع کرنے کا ہے اس دن کو ناغہ کرنے ہی کے نہیں جب تک کہ جھک جھک کر تسلیمات نہ کی جاویں اور قدم آنکھوں سے نہ لگائے جاویں حضرت کا مزاج خوش ہونے ہی کا نہیں۔ سلام علیک کا جواب زبان سے نکلنے ہی کا نہیں۔ قدم چومتے وقت سر پر ہاتھ پھیرنے کے سوا صافے کو کبھی ہاتھ لگنے ہی کا نہیں۔ اور جب تک کہ حضرت صاحب اور پیر صاحب اور میاں صاحب اور مولوی صاحب کہہ کر بات نہ کی جاوے تیوری کا بل اترنے ہی کا نہیں۔"

یہ پیروں کی حالت کا بالکل صحیح نقشہ ہے اور ظاہر ہے کہ جس معاشرہ میں ایسے لوگ دین کے حامی و محافظ سمجھے جائیں اور جاہل عوام پر ان کی گرفت بہت مضبوط ہو جائے اس معاشرہ کی حالت کس قدر خراب ہوگی۔ یوں تو اس زمانے میں معاشرہ کے ہر طبقہ کی حالت بہت خراب اور اصلاح کی محتاج تھی لیکن مذہبی طبقہ کا حال سب سے برا تھا۔ اس طبقہ کی گمراہی اور ریاکاری نے سرسید کے احساس میں بڑی تلخی و شدت پیدا کر دی تھی اور ان لوگوں کے متعلق انہوں نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ کینہ و نخوت اور اپنے تقدس و بزرگی اور خدا پرست ہونے کا گھمنڈ مقدس لوگوں میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔ اور اگر دنیا میں شیطان کو ڈھونڈنے پھرو تو بجز مقدسین کے جبہ و دستار مبارک کے اور کہیں پتہ نہ ملے گا۔"

پیروں اور مولویوں کا یہ گمراہ کن طبقہ عالم و فاضل ہونے کا دعویدار تھا۔ اور مسلمانوں کی دینی تعلیم انہی لوگوں کے ہاتھ میں تھی۔ اسلام کے اصل مقاصد، اس کی صحیح تعلیمات اور اس کے بنیادی اصولوں کی حکمت سے یہ بالکل ناواقف تھے اور چند فرسودہ مباحث غیر ضروری مسائل اور بالکل مہمل باتوں کو اپنے علم و فضل کے اظہار کا ذریعہ سمجھ کر ان کے متعلق وعظ کہتے اور جاہل عوام کی جہالت میں اضافہ کرتے تھے۔ سرسید مذہبی طبقہ کی اس حالت اور ان لوگوں کے دعووں کو اسلام اور مسلمان کے لئے انتہائی نقصان رساں سمجھتے تھے اس لئے ان کی شدید مخالفت کرنے لگے۔ ان کو اس بات کا رنج تھا کہ جو لوگ مذہب کے حامی اور محافظ ہونے کے دعویدار ہیں انہی لوگوں نے مذہب کو سب سے زیادہ نقصان پہنچایا ہے اور اس کی صورت مسخ کر دی ہے۔ اور وہ یہ کہے بغیر نہ رہ سکے کہ "افسوس صد افسوس! ہمارے ہاں کے مولویوں نے ایسے صاف اور روشن مذہب کو لغو اور مہمل کہانیوں میں ڈال دیا ہے۔ اور جب کوئی چاہتا ہے کہ اس کی تحقیقات کرے اور اس پر غور کیا جائے تو وہ اس کو کافر، لامذہب، مرتد اور عیسائی کہتے ہیں۔ میں خدا کا اور اس کے رسولؐ کا اور ان کے کلام کا دوست ہوں۔ ملا مولویوں کا دوست نہیں ہوں جو مثل یہودیوں اور عیسائیوں کے ان کو اربابا من دون اللہ سمجھوں۔۔۔۔ جس قدر میں مولویوں سے ناراض ہوں ایسا کسی سے ناراض نہیں۔ زندہ مولویوں اور بالتخصیص واعظوں کا تو جانی دشمن ہوں اور گزشتہ مولویوں سے سوائے چند کے رنجیدہ ہوں۔ ان میں سوائے چند کے کسی کو سمجھنے اور کتاب تصنیف کرنے اور کسی بات کی تحقیق کرنے کا مطلق سلیقہ نہ تھا۔ صرف جنگل میں سے بھلی اور بری، سوکھی اور گیلی لکڑیاں چننے والے تھے۔ خدا ان پر رحم کرے اور ان کی تقلید کرنے والے اندھوں کو خدا ہدایت کرے۔"

مولویوں اور واعظوں کی حالت درست کرنا ایک ضروری کام تھا۔ لیکن سرسید کو اس طبقہ سے بڑی مایوسی تھی اور ان کا یہ خیال تھا کہ علماء کی اصلاح اگر ناممکن نہیں تو قریب قریب ناممکن ہے۔ "نفاق اور عناد و تفرقہ ایک دوسرے پر اور بعضوں کا دینداری کو وسیلہ معاش بنانا اور تقلید میں ایسا غلو کرنا کہ شرک فی النبوۃ کی حد تک پہنچ گیا ہے۔ اور ادنیٰ مسائل کے اختلاف میں ایک دوسرے کو کافر و مشرک کہنا اور رسول اللہؐ کے ارشاد کو چھوڑ دینا اور اخوت اسلامی جو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ سے بندھی ہوئی ہے۔ اس کو توڑ دینا علمائے زمانہ کا دین ہو گیا ہے۔ جب یہ حال ہے تو خدا ہی ان کی اصلاح کرے تو ہو ورنہ ظاہر اسباب میں تو ہوتی ہوئی نہیں معلوم ہوتی۔" اس صورت میں کہ مولویوں کا یہ برا حال تھا اور ان کی اصلاح تقریباً ناممکن تھی۔

اسلام اور مسلمانوں کو ان لوگوں کی پیدا کردہ خرابیوں سے محفوظ رکھنے کی یہی ایک صورت تھی کہ عوام پر مطلبوں، ملاؤں اور دشمنوں کا اثر ختم کرنے کی کوشش کی جائے اور اس مقصد کے لئے سرسید نے پیری مریدی اور دینی اجارہ داری کے خلاف اپنی مہم چلائی اور ایک بڑے طبقہ کو جو تعلیم یافتہ، قوم کا ہمدرد اور غور و فکر کی صلاحیت رکھنے والا تھا اپنا ہم خیال بنا لیا۔

(بہ شکریہ ثقافت لاہور)

مدیر طلوعِ اسلام کو صدمہ

یہ خبر انتہائی اندوہ و ملال کے ساتھ سنی جائے گی کہ مدیر طلوع اسلام، محترم صفدر سلیمی صاحب کے والد بزرگوار ۳۰ اکتوبر کی صبح اپنے گاؤں نوشہرہ میں انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یوں تو بزرگوں کا سایہ سر سے اُٹھ جانا ہر ایک کے لئے صدمے کا موجب ہوتا ہے لیکن محترم صفدر صاحب کے سلسلے میں یہ صدمہ خاص طور پر شدید ہے یہ اپنے علمی ذوق کی تسکین کے لئے لاہور رہتے ہیں اور ان کے اہل و عیال گاؤں میں۔ والد مرحوم کے گاؤں میں ہونے کی وجہ سے انہیں کسی قسم کی پریشانی نہ تھی۔ لیکن اب ان کی وفات سے وہ سکون اور اطمینان نہ رہا۔ اور یہ آپ جانتے ہیں کہ ایک صاحب فکر اور صاحبِ قلم سے سکون کا چھن جانا کتنی بڑی متاع سے محروم ہو جانے کے مترادف ہوتا ہے لیکن صفدر صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بڑا حوصلہ مند قلب عطا فرمایا ہے۔ اس لئے ہمیں اُمید ہے کہ وہ اس صدمہ کو ہمت اور استقامت سے برداشت کریں گے۔ ادارہ طلوع اسلام اپنی طرف سے اور ہزارہا قارئین اور دیگر ہم نواؤں کی طرف سے محترم صفدر صاحب کی خدمت میں دلی پیغام تعزیت پیش کرتا ہوا دعاگو ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور جملہ پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

شریکِ غم۔ ارباب ادارہ طلوع اسلام۔

باب المراسلات

(۱) قصہ حضرت ایوبؑ

لاہور سے ایک صاحب لکھتے ہیں کہ قصہ حضرت ایوبؑ کے ضمن میں قرآن شریف میں جو کچھ آیا ہے اسے سمجھنے میں دقت ہوتی تھی۔ مولانا مودودی صاحب نے اپنی تفسیر تفہیم القرآن میں جو کچھ لکھا ہے اس سے اور بھی الجھنیں پیدا ہوگئی ہیں۔ اس سے تو معاذ اللہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ خدا بھی انسانوں کو حیلہ سازیاں سکھاتا ہے۔ اور اس کے بعد پھر رسولؐ خدا بھی (توبہ توبہ) اس کی تعلیم دیتے ہیں اور ہمارے ائمہ کرامؒ بھی (بناء بجہلا) اس کی تلقین کرتے ہیں۔ ان کی یہ تفسیر ان کے رسالہ ترجمان القرآن کی نومبر کی اشاعت میں شائع ہوئی ہے۔ آپ اسے وہاں سے دیکھ لیں۔ کیونکہ بات لمبی ہے۔ خط میں اس کا اقتباس بہت طویل ہو جائے گا۔ آپ کے مفہوم القرآن میں یہ مقام بہت دیر کے بعد سامنے آئے گا۔ (کیونکہ یہ تیئسویں پارہ میں آتا ہے)۔ اگر آپ مہربانی فرما کر یہ بتا دیں کہ آپ نے مفہوم القرآن میں اس کی بابت کیا لکھا ہے تو بات سمجھنے میں آسانی ہو جائے گی۔ اور اگر اسے طلوع اسلام میں شائع کر دیں تو میری طرح اور بہت سے متلاشیوں کا بھی اطمینان ہو جائے گا۔

جواب

سورۂ صٓ کی متعلقہ آیات یہ ہیں :-

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ۔ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الشَّيْطٰنُ
بِنُصْبٍ وَّ عَذَابٍ ۔ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّ
شَرَابٌ ...... وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ
اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ۔ نِعْمَ الْعَبْدُ ۔ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ۔ (۳۸/۴۱-۴۴)

تفہیم القرآن (شائع شدہ ترجمان القرآن) میں اس کا ترجمہ یوں دیا گیا ہے۔

اور ہمارے بندے ایوب کا ذکر کرو جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ شیطان نے مجھے سخت تکلیف اور عذاب میں ڈال دیا ہے۔ (ہم نے اسے حکم دیا) اپنا پاؤں زمین پر مار۔ یہ ہے ٹھنڈا پانی نہانے کے لیے۔ اور پینے کے لیے۔ ..... (اور ہم نے اس سے کہا) تنکوں کا ایک گٹھا لے اور اس سے مار دے۔ اپنی قسم نہ توڑ۔ ہم نے اسے صابر پایا۔ بہترین بندہ تھا۔ اپنے رب کی طرف بہت رجوع کرنے والا تھا۔

اس کے نیچے نوٹس یہ ہیں۔

۴۲ - یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم سے زمین پر پاؤں مارتے ہی ایک چشمہ نکل آیا جس کا پینا اور اس سے غسل کرنا حضرت ایوبؑ کے مرض کا علاج تھا۔ اغلب یہ ہے کہ حضرت ایوبؑ کسی سخت جلدی مرض میں مبتلا تھے۔ بائبل کا بیان بھی یہی ہے کہ سر سے پاؤں تک ان کا سارا جسم پھوڑوں سے بھر گیا تھا۔

۴۳ - ان الفاظ پر غور کرنے سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت ایوبؑ نے بیماری کی حالت میں ناراض ہو کر کسی کو مارنے کی قسم کھائی تھی۔ (روایات یہ ہیں کہ بیوی کو مارنے کی قسم کھائی تھی) اور اس قسم میں ہی انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ تجھے اتنے کوڑے ماروں گا۔ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں صحت عطا فرما دی اور حالتِ مرض کا وہ غصہ دور ہو گیا جس میں یہ قسم کھائی گئی تھی تو ان کو یہ پریشانی لاحق ہوئی کہ قسم پوری کرتا ہوں تو خواہ مخواہ ایک بے گناہ کو مارنا پڑے گا اور قسم توڑتا ہوں تو یہ بھی ایک گناہ کا ارتکاب ہے۔ اس مشکل سے اللہ تعالیٰ نے ان کو اس طرح نکالا کہ انہیں حکم دیا کہ ایک جھاڑو لو جس میں اتنے تنکے ہوں جتنے کوڑے تم نے مارنے کی قسم کھائی تھی۔ اور اس جھاڑو سے اس شخص کو بس ایک ضرب لگا دو تاکہ تمہاری قسم بھی پوری ہو جائے۔ اور اسے ناروا تکلیف بھی نہ پہنچے۔ (ترجمان القرآن نومبر ۱۹۵۶ء)

یہ ہے وہ تفسیر، جس کے متعلق محترم مستفسر نے کہا ہے کہ اس سے ان کے دل میں اور بھی الجھنیں پیدا ہو گئیں۔ سوال یہ ہے کہ وہ کون ہے جس کے دل میں اس قسم کی تفسیر سے الجھنیں پیدا نہ ہوں گی۔ آپ "الجھنیں" کہہ رہے ہیں! یہی وہ تفسیریں ہیں جن سے ہمارا تعلیم یافتہ طبقہ خود دین ہی سے برگشتہ ہو رہا ہے۔

اس کے بعد اس تفسیر میں وہ احادیث اور اقوالِ ائمہ دئیے گئے ہیں جن کی طرف محترم مستفسر نے اشارہ کیا ہے۔ تحریر ہے۔

"بعض فقہا اس رعایت کو حضرت ایوبؑ کے لئے خاص سمجھتے ہیں۔ اور بعض فقہا کے

نزدیک دوسرے لوگ بھی اس رعایت سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ پہلی رائے ابن عساکر نے حضرت عبداللہؓ بن عباس سے اور ابوبکر جصاص نے مجاہد سے نقل کی ہے۔ اور امام مالکؒ کی بھی یہی رائے ہے۔ دوسری رائے کو امام ابوحنیفہؒ۔ امام ابو یوسفؒ۔ امام محمدؒ۔ امام زفرؒ اور امام شافعیؒ نے اختیار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص، مثلاً اپنے خادم کو دس کوڑے مارنے کی قسم کھا بیٹھا ہو اور بعد میں دسوں کوڑے ملا کر اسے صرف ایک ضرب اس طرح لگائے کہ ہر کوڑے کا کچھ نہ کچھ حصہ اس شخص کو ضرور لگ جائے تو اس کی قسم پوری ہو جائیگی۔

متعدد احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے زانی پر حد جاری کرنے کے معاملہ میں بھی اس آیت کا بتایا ہوا طریقہ استعمال فرمایا ہے جو اتنا بیمار یا اتنا ضعیف ہو کہ سو درّوں کی مار برداشت نہ کر سکے۔ علامہ ابوبکر جصاص نے حضرت سعید بن سعد بن عبادہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ قبیلہ بنی ساعدہ میں ایک شخص سے زنا کا ارتکاب ہوا اور وہ ایسا مریض تھا کہ بس ہڈی اور چمڑا رہ گیا تھا۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ

خذوا عثکالا فیہ مائۃ شمراخ فاضربوہ بھا ضربۃ واحدۃ،

"کھجور کا ایک ٹہنا لو جس میں سو شاخیں ہوں اور اس سے یک دفعت اس شخص کو مار دو"

(احکام القرآن)۔ مسند احمد۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ طبرانی۔ عبدالرزاق۔ اور دوسری کتب حدیث میں بھی اس کی تائید کرنے والی کئی حدیثیں موجود ہیں جن سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مریض اور ضعیف پر حد جاری کرنے کے لئے یہی طریقہ مقرر فرمایا تھا۔ البتہ فقہا نے ——— اس کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ ہر شاخ یا ہر تنکا کچھ نہ کچھ مجرم کو لگ جانا چاہیئے۔ اور ایک ہی ضرب سہی مگر وہ کسی نہ کسی حد تک مجرم کو چوٹ لگانے والی بھی ہونی چاہیئے۔ یعنی محض چھو دینا کافی نہیں ہے بلکہ مارنا ضروری ہے۔" (ایضاً ص ۸۳)

آپ غور کیجئے کہ جہاں اس تعزیر کی رُو سے جس کا پہلا حصہ اوپر نقل کیا جا چکا ہے، خدا کے متعلق اس قسم کا خیال پیدا ہوتا تھا، ان وضعی احادیث کی رُو سے خدا کے رسولؐ کے متعلق کس قسم کا تصور پیدا ہوتا ہے؟ اسی قسم کی ہیں وہ احادیث جن کے انکار سے ہمیں منکر حدیث کہا جاتا ہے۔ آپ سوچئے کہ کیا ایک سیکنڈ کے لئے بھی یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ یہ احادیث فی الواقعہ نبی اکرمؐ کی ہو سکتی ہیں؟

مفہوم القرآن میں ان آیات کا مفہوم ان الفاظ میں لکھا گیا ہے۔

(۳۸/۴۱) اور ہمارے بندے ایوبؑ کی سرگزشت کو بھی سامنے رکھو۔ (۲۱/ ۲۲-۲۳-۲۴)
وہ ایک سفر میں بڑی جانکاہ مصیبتوں میں مبتلا ہوگیا۔ اس کے ساتھی اس سے بچھڑ گئے۔ پانی ختم ہوگیا۔ وہ سفر کی تکان اور پیاس کی شدت سے نڈھال ہو رہا تھا اس پر اسے سانپ نے ڈس لیا۔ اس طرح اسے مصائب و تکالیف کے ہجوم نے گھیر لیا (لیکن اس نے بڑے استقلال سے ان سب کا مقابلہ کیا)۔

(۳۸/۴۲) ہم نے اس کی راہ نمائی ایک ایسے مقام کی طرف کردی جہاں ٹھنڈے پانی کا چشمہ تھا۔ وہ وہاں پہنچا۔ پانی پیا۔ نہایا۔ مارگزیدہ پاؤں کو پانی میں رکھ کر ہلاتا رہا۔ جس سے حدت رفع ہوئی۔ ....

(۳۸/۴۴) (سانپ کاٹے کے علاج کے لئے اس سے لوگ کہتے رہے کہ وہ (اُس زمانے کی عام توہم پرستی کے مطابق، جھاڑ پھونک، جنتر منتر کرائے۔ لیکن چونکہ ان باتوں میں شرک کا شائبہ پایا جاتا تھا اس لئے وہ) ان کی طرف قطعاً مائل نہ ہوا بلکہ جڑی بوٹیوں سے اپنا علاج کرتا رہا۔ اس طرح اسے شفا ہوگئی۔

اس نے اس تکلیف کو بڑی پامردی سے برداشت کیا۔ اور کہیں بھی ہمارے قانون کی خلاف ورزی نہ کی۔ ہر معاملہ میں اسی کی طرف رجوع کرتا رہا۔ (یوں اس نے توہم پرستی کی جڑ کاٹ دی، جس میں لوگ مبتلا تھے)۔

اس مفہوم کی سند کے لئے لغات القرآن میں شیطان۔ نصب۔ رکض۔ ضغث۔ حنث۔ وغیرہ الفاظ دیکھئے بات صاف ہوجائے گی۔

ترجمان القرآن میں جو تفسیر بیان ہوئی ہے اس کی رُو سے پہلے یہ بات اپنی طرف سے فرض کی گئی کہ حضرت ایوبؑ نے غصے میں بیوی کو سو کوڑے مارنے کی قسم کھائی تھی۔ پھر اس خود پیدا کردہ الجھن کے حل کیلئے خدا کی طرف یہ بات منسوب کرنی پڑی کہ اس نے اس مشکل کا حل یہ بتایا تھا۔ (حالانکہ یہ دونوں باتیں قرآن میں نہیں) اور پھر ان مفروضات کی بنا پر ان وضعی روایات کو رسول اللہ کی طرف منسوب کیا گیا یوں ہماری تفاسیر مرتب ہوتی ہیں۔

سوال یہ ہے کہ اگر حضرت ایوبؑ نے غصے میں ایسی قسم کھالی تھی تو کیا جس خدا نے (معاذ اللہ) انہیں اس قسم کا حیلہ سکھایا اُسے اپنے اس حکم کا خیال نہ آیا جو اس نے قرآن میں ان الفاظ میں دیا تھا کہ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيٓ اَيْمَانِكُمْ (۲/۲۲۵) اس قسم کی لغو قسموں پر خدا مواخذہ نہیں کرتا۔ اور کیا نبی اکرمؐ کی نگاہوں سے بھی (معاذ اللہ) یہ آیت اوجھل رہی، آپ نے خود فرمایا کہ ہمارے مفسر خدا، رسول۔ قرآن کے ساتھ کیا کچھ کرتے ہیں؟

نقد و نظر

۱۔ الفخری

محمد بن علی بن طبا طبا (جو ابن طقطقی کے لقب سے مشہور ہے) ساتویں صدی ہجری کا مؤرخ ہے۔ جس کی تالیف "الفخری" کافی مشہور ہے۔ اس کتاب کا نام "الفخری فی الآداب السلطانیہ والدول الاسلامیہ" ہے۔ مؤلف نے کتاب کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ

> اس کتاب میں میں نے جن باتوں کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہیں۔ مختلف حکومتوں کے حالات۔ فرمانرواؤں کے معاملات۔ اونچے فرماں رواؤں کے دلچسپ حالات۔ خلفاء اور وزراء کی سیرتیں۔ اس میں دو فصلیں ہیں۔ پہلی فصل میں جن موضوعات پر گفتگو ہے وہ یہ ہیں۔ سلطانی امور۔ فرمانروایانہ سیاسیات۔ فرماں روا کی وہ خصوصیات جن سے وہ عوام سے ممتاز ہوتا ہے۔ وہ صفات جو فرماں روا کے اندر ہونی چاہئیں یا ہرگز نہ ہونی چاہئیں۔ رعایا کے حقوق اپنا اس کے رعایا پر۔

دوسری فصل میں خلافت راشدہ سے لے کر آخر عہد عباسیہ تک کی حکومتوں کے اہم واقعات کا ذکر اختصار کے ساتھ کیا گیا ہے۔ ابن طقطقی اثنا عشری شیعہ ہے اور اس کے معتقدات کی جھلک کتاب میں ہر جگہ موجود ہے۔ تاہم وہ صحابہ کرامؓ کا ذکر احترام کے ساتھ کرتا ہے۔

اس کتاب کا اردو ترجمہ (جو زیر تبصرہ ہے) مولانا محمد جعفر شاہ پھلواری نے نہایت عمدگی سے کیا ہے۔ اور ادارہ ثقافت اسلامیہ پاکستان (لاہور) نے چھاپا ہے۔ ترجمہ شگفتہ اور رواں ہے ـــ ایسا رواں کہ ترجمہ معلوم ہی نہیں ہوتا۔ انہوں نے اپنے مقدمہ میں لکھا ہے کہ اس کتاب کا اردو ترجمہ ان کی نظروں سے نہیں گزرا۔ (ہماری نگاہوں سے بھی نہیں گزرا۔ اور اس سے پہلے غالباً ہوا بھی نہیں تھا)۔ البتہ اس کا انگریزی ترجمہ لندن سے ۱۹۴۷ء میں شائع ہوا تھا۔ اس اعتبار سے اردو خواں طبقہ کے لئے محترم پھلواری صاحب کی یہ کوشش مغتنمات میں سے ہے کہ کتاب

نیوز پرنٹ پر شائع ہوئی ہے اور مجلد کی قیمت ۵ روپے ۱۲ پیسے ہے۔

۲۔ فلسفۂ اسلام

پرنسٹل یونیورسٹی کے مشہور پروفیسر ڈی۔ ادلیری کی کتاب "فلسفۂ اسلام" علمی طبقہ میں معروف ہے۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ مولوی احسان احمد صاحب نے کیا تھا جو جامعہ عثمانیہ (حیدرآباد دکن) کے نصاب میں داخل تھا۔ اُسے اب نفیس اکیڈمی۔ بلاسس اسٹریٹ۔ کراچی نے سلیقہ سے شائع کیا ہے۔ شروع میں ناشر نے ایک مختصر سے تعارف میں ایک ایسی بات کہہ دی ہے جسے ہم خود اپنے تبصرہ میں کہنا چاہتے تھے۔ اور وہ یہ کہ

> یہ کتاب جس کا نام فلسفۂ اسلام ہے، درحقیقت اسلام کی نہیں بلکہ مسلمانوں کی عقلی تاریخ کا ایک حصہ ہے۔ اسلام تو ایک سادہ سا عملی مذہب ہے۔ اس میں فلسفیانہ موشگافیوں کی بہت ہی کم گنجائش پیدا کی جا سکتی ہے۔ اس لئے نہ اسلام کا کوئی فلسفہ ہوتا ہے اور نہ فلسفہ جیسے خالص عقلی اور فکری چیز دینِ اسلام کی بلندیوں تک پہنچ سکتی ہے۔ جس کی بنیاد تمام تر الہام ربانی (وحی) پر قائم ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ اسلام ایک دین (نظام حیات) ہے، جس کی حکمت اور عملی پروگرام دونوں قرآن کریم کے اندر ہیں۔ ہمارے ہاں نہ معلوم یہ غلطی کب سے شروع ہوئی ہے کہ "مسلمان" اور "اسلام" میں فرق نہیں کیا جاتا۔ چنانچہ مسلمانوں کی تاریخ کا نام "اسلام کی تاریخ"، مسلمانوں کے فلسفہ کا نام "اسلام کا فلسفہ"، مسلمانوں کی حکومت کا نام اسلامی حکومت، مسلمانوں کی تہذیب کا نام۔ اسلامی تہذیب۔ حتیٰ کہ مسلمانوں کے مروجہ مذہب کا نام اسلام قرار پا گیا ہے۔ اس غلطی کے نتائج اسلام کے لئے بڑے نقصان رساں اور خطرناک ہیں۔ ضرورت اس کی ہے کہ ان دونوں کو الگ کر کے خالص اسلام کو دنیا کے سامنے پیش کیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی راہ میں ہم مسلمان سب سے بڑی رکاوٹ بن کر کھڑے ہیں۔ جو لوگ اسلام کو دیکھنا چاہتے ہیں ان کی نگاہ سب سے پہلے ہم پر پڑتی ہے۔ اور جب وہ اسلام کے مظہر اور ترجمان ہم جیسوں کو دیکھتے ہیں تو اسلام میں ان کے لئے کوئی دلچسپی نہیں رہتی بلکہ اسے انسانی ترقی کی راہ میں سدِ راہ سمجھ لیتے ہیں۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ اسلام اور ہم مسلمانوں میں جو فرق ہے اسے عام کیا جائے۔ اس اعتبار سے اس کتاب کے ناشر، محترم سلیم گاہندری صاحب کی یہ ابتدائی تصریح بڑی اہم ہے۔

کتاب کا ترجمہ رواں ہے۔ اور کتابت۔ طباعت۔ کاغذ عمدہ۔

ضخامت قریب اڑھائی سو صفحات۔ قیمت مجلد، چھ روپے پچھتر پیسے۔

۳۔ اقتصادی ترقی کا منظر و پس منظر

پروفیسر جان کینتھ گالبریتھ، ہارورڈ یونیورسٹی (امریکہ) میں اقتصادیات کے استاذ ہیں۔ وہ آج سے کچھ عرصہ پہلے تک، ہندوستان میں امریکہ کے سفیر کی حیثیت سے تعینات تھے۔ اس دوران میں انہوں نے ہندوستان کی مختلف یونیورسٹیوں میں، اقتصادیات کے موضوع پر پانچ لیکچر دیئے تھے جنہیں ۱۹۶۲ء میں ہارورڈ یونیورسٹی نے شائع کیا تھا۔ اب ان کا اردو ترجمہ محترم حنیف رامے مدیر نصرت کے قلم سے شائع ہوا ہے۔ ابتدا میں محترم ممتاز حسن صاحب کا پیش لفظ ہے۔ اور اس کے بعد مترجم کی تمہید، جس کا آغاز انہوں نے اقتصادیات یوسفی کی قرآنی آیات ۱۲/۴۷-۴۹ سے کیا ہے۔ تمہید میں انہوں نے کس قدر صاف۔ واضح۔ کھری اور دو ٹوک بات کہی ہے کہ۔

> اللہ کے محکم فیصلہ کر دیا ہے کہ قانون بس خدا ہی کا ہے (الانعام - ۵۷)۔ وہی ہر معاملہ کا آخری فیصل ہے۔ (آل عمران - ۱۰۵) جب یہ صورت ہو تو قرآن عزیز ہی دوسرے ہر معاملہ کی طرح اقتصادی میدان میں بھی میزان اور سرچشمۂ ہدایت ٹھہرتا ہے۔ صرف اسے حرف آخر سمجھنا چاہیئے۔ اور ہر معقول بات خواہ وہ امام ابوحنیفہؒ کی ہو یا کارل مارکس کی۔ اگر قرآن کی کسوٹی پہ سچی ثابت ہوتی ہے تو اسے قبول کرنے میں عار نہ ہونی چاہیئے۔

خوشا بخت ہے وہ قوم۔ جو اس اصول کو اپنی زندگی کے ہر گوشے میں اپنا نصب العین قرار دے لے۔

اس تمہید میں انہوں نے "اقتصادی ترقی اور پاکستان" اور "اقتصادی ترقی کے مرحلے" کے عنوانات پر قریب تیس صفحات میں جو کچھ لکھا ہے اسے حاصل مطالعہ سمجھنا چاہیئے۔ مکتبہ جدید لاہور نے کتاب کو بڑے دل آویز انداز میں ٹائپ میں شائع کیا ہے۔ ضخامت ۱۳۶ صفحات۔ قیمت پانچ روپے۔

مفت

مجرب دوا برائے:- دمہ۔ درد گردہ و پتھری

ملنے کا پتہ:- حاجی محمد دین شیخ آئل فیکٹری متصل گنیش کھوپرا ملز

لارنس روڈ ـــــ کراچی

نوٹ:- جوابی لفافہ ضرور آنا چاہیئے۔

بچوں کا صفحہ

جو کچھ کرتا ہے خُدا کرتا ہے

جاوید بڑا ذہین اور سمجھ دار بچہ ہے۔ ہمیشہ خوش و خرم رہتا ہے۔ بڑے بوڑھوں کا ادب کرتا ہے اور چھوٹوں سے پیار۔ اسی وجہ سے وہ اپنے بزرگوں کی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور بنا ہوا ہے۔ اس کے ہم عمر دوست بھی اس کی عزت کرتے ہیں۔ ایک دن جاوید کے محلے کی مسجد میں وعظ تھا۔ باہر سے آئے ہوئے ایک بڑے مولوی صاحب" وعظ فرمانے والے تھے۔ جاوید کے ابا اسے بھی وعظ سننے لے گئے۔ جاوید بڑوں کی باتیں ہمیشہ غور سے سُنا کرتا ہے۔ اور اُن پر اچھی طرح غور کیا کرتا ہے۔ چنانچہ مولوی صاحب کا وعظ بھی وہ بڑے غور سے سن رہا تھا۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس کے حکم کے بغیر ایک پتہ بھی نہیں ہل سکتا۔ غرضیکہ جو کچھ کرتا ہے خُدا کرتا ہے" وعظ ختم ہوا اور جاوید اپنے ابا کے ساتھ گھر لوٹ آیا۔ رات کو کھانے کے بعد جاوید نے اپنے ابا سے پوچھا۔

"ابا جان! مولوی صاحب فرما رہے تھے کہ جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے"

"ہاں بیٹے، مولوی صاحب نے ٹھیک ہی کہا ہے" جاوید کے ابا نے جواب دیا۔

"مگر ابا جان۔ یہ بات میری سمجھ میں

نہیں آئی۔ اگر سب کچھ خدا ہی کرتا ہے تو پھر رشیدہ باجی کو امتحان میں فیل ہو جانے پر آپ نے بُرا بھلا کیوں کہا تھا؟ اس بیچاری کو بھی تو اللہ میاں ہی نے فیل کر دیا تھا" جاوید نے کہا "بیٹا! امتحان میں فیل ہونے کی اور بات ہے۔" جاوید کے ابا نے جواب دیا۔ ابا کے جواب سے جاوید کی تسلی نہیں ہوئی۔ اور وہ یہی سوچتا رہا کہ اگر سب کچھ خدا ہی کرتا ہے تو رشیدہ باجی کو فیل ہو جانے پر ابا جان نے بُرا بھلا کیوں کہا تھا؟

جاوید کے چچا ہر اتوار کی صبح گلبرگ، پرویز صاحب کا درسِ قرآن سُننے جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک روز جاوید نے ان سے پوچھا۔

"چچا جان! کیا یہ صحیح ہے کہ جو کچھ کرتا ہے خُدا کرتا ہے" جاوید سے سب باتیں سننے کے بعد اس کے چچا نے جواب دیا۔

"جاوید میاں! تمہارا سوال بہت اہم ہے۔ اس کے لئے میں چاہتا ہوں کہ تمہیں تفصیل کے ساتھ اس کا جواب دوں۔ اس لئے آج رات کو میں تمہیں بتاؤں گا کہ جو کچھ کرتا ہے، خُدا کرتا ہے" کا مطلب کیا ہے؟

چنانچہ رات کو جب جاوید کے چچا کھانے سے فارغ ہوئے تو وہ اُن کے پاس پہنچ گیا۔ اس کے چچا نے پیار سے اُسے اپنا پاس بٹھایا اور کہا۔ جاوید میاں! تمہارا سوال اگرچہ بہت مشکل ہے مگر اس کا جواب اتنا ہی آسان بھی ہے۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ جو کچھ کرتا ہے خُدا کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہر کام اللہ میاں کے مقرر کئے ہوئے قاعدے اور قانون کے مطابق ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر یوں سمجھو کہ اللہ میاں کا قانون یہ ہے کہ آگ میں انگلی ڈالنے سے انگلی جل جاتی ہے۔ اب اگر کوئی بچہ اپنی انگلی آگ میں ڈال دے اور وہ انگلی جل جائے تو اس کے لئے یوں بھی

کہا جاسکے گا کہ آگ نے اس کی انگلی جلا دی۔ اور یوں بھی کہ اس کی انگلی خدا کے مقرر کئے ہوئے قانون اور قاعدے کے مطابق جل گئی۔ تمہاری باجی رشیدہ کے امتحان میں فیل ہونے کی وجہ یہ تھی کہ اس نے محنت سے اپنی کتابوں کو نہیں پڑھا۔ اگر وہ محنت کرتی اور کھیل کود میں اپنا وقت ضائع نہ کرتی تو وہ ضرور کامیاب ہو جاتی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قانون یہی ہے کہ کامیابی اُسے ہی نصیب ہو گی جو محنت کرے گا۔ تمہارے ابا جان کے رشیدہ باجی کو برا بھلا کہنے کی وجہ بھی یہی تھی کہ اس نے امتحان کے لئے محنت نہیں کی تھی۔"

جاوید کے چچا نے اپنی گفتگو ختم کی ہی تھی کہ جاوید فوراً بولا۔ "چچا جان! اب میں اچھی طرح سمجھ گیا ہوں کہ "جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے" کا مطلب کیا ہے"۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے اس قانون یا قاعدے کے مطابق ہوتا ہے جسے اللہ نے مقرر کر رکھا ہے۔

تو بچو! تم نے دیکھا کہ جاوید کی یہ عادت کتنی اچھی ہے کہ وہ ہر بات کو اچھی طرح سوچتا اور سمجھتا ہے۔

(ظفر ببیّا)

قیمتی مشورہ

ان کاروباری حضرات کیلئے جو یورپ، امریکہ اور افریقہ وغیرہ میں اپنی مصنوعات کو روشناس کرانا چاہتے ہیں۔ "طلوع اسلام" پاکستان کے علاوہ ۳۴ غیر ممالک میں بھی پڑھا جاتا ہے۔ آپ اپنی مصنوعات کا اشتہار طلوع اسلام میں شائع کرائیں اس کے نتائج آپ کے لئے حوصلہ افزا ہوں گے۔

سپاس تعزیت

والد بزرگوار مرحوم کے سانحۂ رحلت پر مشرقی و مغربی پاکستان کے جن احباب، مختلف بزمہائے طلوع اسلام اور بعض جرائد نے مجھے ہمدردی اور تعزیت کے جن خلوص جذبات سے نوازا ہے ان سے مجھے اپنے بکھرے ہوئے سکون و اطمینان قلب کو بحال کرنے میں بڑی مدد ملی ہے۔ میرے لئے ممکن نہیں کہ ان بیشمار کرم فرماؤں کا فرداً فرداً شکریہ ادا کر سکوں۔ اس لئے ان کالموں میں مجموعی طور پر ان سب کی ہمدردانہ نوازشوں کے لئے سپاس گزار ہوں۔ موت و حیات کا سلسلہ خدا کے اٹل قوانین کا پابند ہے اور اسی کی بارگاہ و اجلال ہے جہاں سے ہر روح پریشان اور قلب مضطرب کو صبر جمیل کا مداوا نصیب ہوتا ہے۔ اس حادثۂ غم میں میری جبینِ نیاز بھی اسی آستانۂ رحمت پر جھکی ہوئی ہے ——

إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

(صفدر سلیمی)

لاہور میں پرویز صاحب کا درسِ قرآن

ہر اتوار کی صبح کو ۹ بجے ۲۵-بی گلبرگ میں باقاعدگی سے ہوتا ہے۔

شرکائے درس کی سہولت کے لئے ادھی سردیں کی طلوع اسلام اسپیشل بس کا انتظام ہے جو ½۸ بجے صبح رنگ محل سے روانہ ہوتی ہے۔

راولپنڈی میں پرویز صاحب کا درسِ قرآن

ہر جمعہ کی شام کو ۴ بجے الکوثر بلڈنگ (بالمقابل گورنمنٹ گرلز کالج مری روڈ) میں ٹیپ ریکارڈ سے پرویز صاحب کا درس قرآن سنئے۔

کراچی کے دوستو!

آیئے اور ہر اتوار کی صبح کو ساڑھے نو بجے سندھ مسلم ہال (رہسٹد روڈ) میں مفکر قرآن جناب پرویز مدظلہٗ کی زبان سے سنئے کہ قرآن ہمارے اُلجھے ہوئے مسائل زندگی کا کس قدر واضح اور نکھرا ہوا حل پیش کرتا ہے۔

پٹ سن کی مصنوعات تیار کرنے والوں میں
ایک ممتاز اور نمایاں مقام کے حامل

لطیف باوانی جوٹ ملز لمیٹڈ
ڈھاکہ

اس ادارہ کے تیار کردہ تھیلے، بوریاں، سُوتلیاں اور ٹاٹ کی دیگر اشیاء وکینواس دُنیا کے مختلف گوشوں میں بھیجے جاتے ہیں اور دُنیا کے ہر حصے میں ویسے ہی مقبول عام ہیں جیسے اپنے گھر میں۔

مینیجنگ ایجنٹس

احمد برادرز لمیٹڈ ۳۵-۳۶ جناح ایوینیو

رمنا —— ڈھاکہ

تار کا پتہ :- "باوانی" —— فون نمبر ۶۷۳۱-۲

کراچی آفس :- —— بینک ہاؤس حبیب اسکوائر
بندر روڈ —— کراچی